امت کی فلاح و بہبود

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْيَقِيْنُ وَالزُّهْدُ وَأَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْأَمَلُ. [البیهقی: ١٠٨٤٤ قال الالبانی هو عندی حسن الصحیحه: ٣٤٢٧]

''اس امت کے بناؤ سنوار کی ابتداء یقین اور دنیا سے بے رغبتی میں ہے اور اس کے فساد (بگاڑ) کی ابتداء بخل اور آرزو سے ہے۔''

نفاق اور منافق

(۵۱)...... عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ - رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ - قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: آیَةُ الْمُنَافِقِ ثَـلَاثٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ۔ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا ائْتُمِنَ خَانَ۔
[البخاری:۳۳۔ مسلم: ۱۰۷/۵۹۔ ۱۰۹۔۵۹]

(۵۲)...... عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِیْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَّمَنْ كَانَتْ فِیْهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِیْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَهَا اِذَا ائْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ ۔ [البخاری: ۳۴۔ مسلم: ۱۰۶/۵۸]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں چاہے روزے رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور دعویٰ کرتا ہو کہ وہ مسلمان ہے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرے تو خلاف کرتا ہے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں چار صفات ہوں وہ خالص منافق ہوتا ہے اور جس میں ایک خصلت پائی جائے تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔ جب امانت دی جائے تو خیانت کرے جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو خلاف کرے جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔

دراصل منافق اس کو کہتے ہیں جو دل کی بات کو ظاہر نہ کرے بلکہ اس کے خلاف اظہار کرے۔ شریعت میں منافق اس کو کہا جاتا ہے جو اپنے دل میں کفر پوشیدہ رکھتا ہو مگر لوگوں کے سامنے ایمان کا اظہار کرتا ہو۔

منافق چوں کہ اپنی اصلیت چھپا کر رکھتا ہے اس لیے اس کی حقیقت کھولنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی علامتیں ذکر فرمائیں جن سے اس کی نیت کی خرابی اور ضمیر کا فساد سامنے آجاتا ہے۔

لفظ آیۃ واحد ہے اس لیے معنی یہ ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک بات منافق کی نشانی ہے یا یہ ہوگا کہ یہ تینوں علامات مل کر منافق کی علامت بنتی ہے۔ ابن خزیمہ میں جمع کے الفاظ ہیں: علامات المنافق ثلاث

اس حدیث میں علاماتِ نفاق کو تین میں محصور فرمایا اور دوسری روایت میں ایک چوتھی خصلت کا ذکر فرمادیا۔ قرطبی کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافق کے خصائل کا علم بعد میں ہوا ہو۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ خصلت کے ذکر کرنے سے اس کا علامت ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لیے کوئی تعارض نہیں ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: من علامة المنافق ثلاث اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مراد حصر نہیں تھی۔

وان صام وصلی وزعم انه مسلم یعنی وہ اگر چہ نماز پڑھتا ہو، روزے رکھتا ہو۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حج عمرہ بھی کرتا ہو اور اپنے کامل مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو تو پھر بھی وہ منافق ہی ہوگا۔

منافق کی دو قسمیں ہیں: ① اعتقادی، ② عملی۔ اعتقادی منافقوں کے متعلق قرآنِ مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی روشنی ختم کردی اور وہ تاریکی میں حیران، سرگرداں ہیں وہ حق کو سننے سے بہرے ہیں، حق کے بولنے سے گونگے ہیں، اور حق کو دیکھنے سے اندھے ہیں۔ یہ کبھی بھی راہِ راست پر نہیں آسکتے۔

ان کی دوسری قسم عملی منافقوں کے متعلق فرمایا کہ آسمانی ہدایت سے ان کے دلوں میں شکوک وشبہات جاگزیں ہیں یہ لوگ قرآن کے وعد وانعامات کی باتیں سنتے ہیں تو خوشی خوشی مومنوں کے ساتھ چل پڑتے ہیں۔ مگر جب زجر وتوبیخ اور وعید کی باتیں سنتے ہیں تو موت کے ڈر سے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے ہیں تا کہ اس وعید سے ان کے کان نہ پھٹ جائیں۔ اگر یہ لوگ اپنے ان رویوں سے باز نہ آئے تو ہم ان کی بھی آنکھیں اور کان ختم کردیں گے تو یہ بھی پکے منافق اور کافر ہو جائیں گے۔

فہرست

دنیوی زندگی عارضی متاع ہے

﴿ وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتُهَا ۚ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ [القصص: ٢٨/٦٠]

''تمھیں جو چیز بھی دی گئی ہے وہ دنیوی زندگی کا مال ومتاع ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے کیا تم عقل نہیں کرتے۔''

دنیوی زندگی عارضی ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ جَسَدِیْ فَقَالَ کُنْ فِی الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ .

[البخاری: ٦٤١٦۔ الترمذی: ٢٣٣٣۔ ابن ماجہ: ٤١١٤]

''ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کے کچھ حصے کو پکڑا پھر فرمایا: دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم غریب یا راہ گزر رہو اور اپنی جان کو اہل قبور میں شمار کرو۔''

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کسی شخص نے کہا یا رسول اللہ! مجھے قرضوں اور افکار نے گھیر لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تجھے ایسا کلام نہ بتاؤں جس سے تیرا سارا غم اور قرض ختم ہو جائے گا۔ تم یوں کہو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ . [ابوداؤد: ١٥٥٥]

''اے اللہ! میں غم و فکر، عاجزی و سستی، بزدلی اور بخل، قرض کے غلبہ اور لوگوں کے غالب آ جانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔'' اس شخص نے کہا جب میں نے یہ دعا پڑھی تو اللہ نے میرا غم بھی دور کر دیا اور قرض بھی ادا کر دیا۔

27 جون تا 03 جولائی 2008ء......(904)......22 جمادی الثانی 1429ھ

بھاری پتھر

اداریہ ═══ حافظ احمد شاکر

شرقپور کے گرد و نواح کے ایک شاعر ظہیر نیاز بیگی ہوا کرتے تھے جنھوں نے اپنے دور کی ایک مقبولِ عام نظم ع یا اسلام پہ چلنا سیکھو یا اسلام کا نام نہ لو، لکھی تھی۔ یہ غالبًا اس دور کی بات ہے جب وطن عزیز میں اسلام اور سوشلزم کا معرکہ بپا تھا۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد سیاست دانوں نے اسلام کو ایک بھاری پتھر جانتے ہوئے چوم کر چھوڑ دیا تھا اور اسلام کا نام یعنی اس کے نفاذ کا مطالبہ کرنا بھی دھیرے دھیرے چھوڑ ہی دیا۔ حوادث زمانہ سے ۱۹۷۷ء میں جب اسلامی نظام کا نعرہ تبدیل ہو کر نظامِ مصطفیٰ کے نام سے تحریک اٹھی تو بلاشبہ عوام نے ...... وجہ تخلیق اور اس کے کرتا دھرتا لوگوں کی نیت سے بے نیاز ہو کر...... اپنے مکمل اخلاص کے ساتھ اس تحریک پر تن من دھن قربان کر دیا۔ لاہور کی مسلم مسجد میں ہونے والی اس دور کے حکم رانوں کی بربریت وطن عزیز کی تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔ اس تحریک کے نتیجے میں نمودار ہونے والا مارشل لا اور اس کے چیف ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق مرحوم اور ان کا کردار بھی تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے اقتدار سنبھالتے ہی انتخابات ...... جو کہ وجہ نزاع یا مارشل لا کا باعث بنے تھے...... کرانے کا وعدہ کیا پھر رفتہ رفتہ اسلام کے نفاذ کی خواہش کرنے لگے۔ یہ خواہش پہلے نعرہ بنی پھر وعدہ بننے لگی اور بالآخر وہ اس کو مقصد حکومت بتانے لگے تھے۔ لیکن افسوس کہ وہ خواہش، خواہش ہی رہی اور خواہش بھی ایسی جس میں ان کا دم ہی نکل گیا، ان کا حق حکم رانی، ان کی پالیسیاں، ان کے فیصلے، پاکستان کی سیاسی تاریخ میں اپنی اپنی وجوہ کی بنا پر اب تک متنازع ہیں اور شاید ہمیشہ متنازع رہیں گے۔ لیکن اختلاف کے حق کے ساتھ ہماری رائے یہ ہے کہ دنیائے کفران کی پالیسیوں اور ان کے دور رس متوقع نتائج سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی اور اب تک مغربی تجزیہ نگار اس بات کے قائل نظر آتے ہیں کہ دنیا میں جاری معرکۂ ہلال وصلیب میں ان کی ژرف نگاہی کے بڑے گہرے اثرات ہیں اور طاغوتی حکومتیں اب تک اُن سے خائف نظر آتی ہیں۔ افغان جنگ میں ان کا کودنا اس وقت تو ایک دیوانے کی بڑ لگ رہی تھی۔ ہر عمل کے اچھے برے نتائج کے تاریخی کلّیے کے مصداق یہ جنگ، بعض کڑوے پھل ...... کلاشنکوف، دھماکے وغیرہ ...... بھی ساتھ لائی لیکن مسلم امہ میں جہاد کی لہر، اس کی اہمیت، مسلمانوں کی دینی غیرت وحمیت کی بیداری اور مسلم امہ کا ذہنی، فکری اور معاشی غلامی کا طوق کو اتار پھینکنے کی کوشش اس کے وہ ثمرات حسنہ ہیں جو ہمارے جمہوریت گرویدہ اور مفادات کے رسیہ سیاست دانوں کی عقل شریف میں اب تک نہیں آ رہے۔ جب کہ طاغوت کے تھنک ٹینک گزشتہ دو دہائیوں سے ضیاء پالیسیوں کے ممکنہ نتائج کی روک تھام کی پالیسیاں بنانے پر سر جوڑ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔

....

حادثہ بہاولپور کے بعد جب جمہوریت بلکہ عوامی جمہوریت ظہور پذیر ہوئی تو جہاں برسوں بعد مہنگائی نے انگڑائی لینا اور قلانچیں بھرنا شروع کر دیں تو وہاں عوام کو جمہوریت کی چکا چوند کی آڑ میں بے پردگی، بے حیائی اور اس آوارگی میں مشغول کر دیا گیا جس کی آلودگی سے وہ ایک عرصے سے محفوظ چلے آ رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ذرائع ابلاغ سے اسلام، اس کے مظاہر، اس کے محاسن حتیٰ کہ اس کے نام تک کو اس طرح غائب کیا گیا کہ گیارہ سالہ ضیاء دور میں جو سنا، دیکھا اور محسوس کیا تھا وہ خواب محسوس ہونے لگا۔ اس کے بعد عبوری و جمہوری حکومتیں آتی جاتی رہیں، جنرل مرحوم کا سالانہ...... عرس نما...... اجتماع دعا ومغفرت دھوم دھڑکے سے ہوتا رہا۔ جناب اعجاز الحق اس محفل حق کو سجادۂ نشین بن کر زینت بخشتے رہے اور جنرل مرحوم کے سیاسی جانشین میاں نواز شریف بھی خصوصی دعا کی ریت نبھاتے اور ضیاء فیملی کے ساتھ اظہار یک

جھتی کرتے رہے۔لیکن وقت کے ساتھ ساتھ جناب میاں صاحب نے تو اسلام سے معاش کی طرف سفر شروع کر دیا کہ میاں صاحب کو دوسرے دورِحکومت میں اپنے آپ کو...... غالباً اقتدار کی خاطر...... غیر بنیاد پرست ڈکلیئر کرنا پڑ گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ضیاء دور کے حاصل یعنی جہاد اور مجاہدین کے خلاف نیو ورلڈ آرڈر کے خالقین نے جو چاہا وہ جمہوری حکم رانوں سے کرواتے رہے۔ وہ حکومت بےنظیر کی ہو یا میاں نواز شریف کی، انکل سام کی خدمت انجام دینے میں پیچھے کوئی نہ رہا۔ باقی رہے جناب اعجاز الحق! نواز حکومت تک تو ان کی ذات کچھ عرصہ ڈھکی چھپی رہی پھر یہ بھی سیاست کی آلائشوں اور آلودگیوں سے لتھڑنے شروع ہوگئے۔تا آنکہ ۱۹۹۹ء کا اکتوبر آ گیا اور فضا سے روشن خیالی کا ایسا سپرے شروع ہوگیا کہ دینی جماعتوں تک نے اسلام کے نفاذ کا نام لینا چھوڑ دیا۔اب مرکزی جمعیت اہل حدیث سے لے کر تحریک استقلال تک جمہوریت کے فراق میں تڑپنے اور بلکنے لگ گئے۔اسلام کا نفاذ قصہ ماضی بنتا گیا اور حاملین وخادمین اسلام اور ان کے مراکز کو انتہا پسندی، عدم رواداری، عسکری مزاج اور دہشت گردی کا استعارہ بنایا جانے لگ گیا۔ان حالات میں میاں نواز شریف چاہے کسی بھی طرح حالات کے سامنے ڈٹ گئے اور آزمائشوں کا مقابلہ کرنے لگ گئے لیکن جناب اعجاز الحق روشن خیالی کی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے لگ گئے۔حتیٰ کہ جامعہ حفصہ اور لال مسجد کیس میں اہل خبر ونظر کے مطابق جناب اعجاز الحق اگر شریک نہ تھے تو اس سے لاپروا اور بے نیاز رہنے والوں میں شامل ضرور تھے اور موصوف نے اپنے والد مرحوم کے برعکس حکومتی مفادات...... جائز وناجائز...... سے خوب ہاتھ رنگے۔ان کے اقتدار کی رنگینیاں بھی دوسرے حکم رانوں سے شاید مختلف نہ رہی ہوں گی۔تا آنکہ خود ساختہ جلاوطن اور روشن خیال حکومت کے جلاوطن کردہ لیڈر دوبارہ وطن عزیز میں آئے، سیاسی سرگرمیاں زور شور سے شروع ہونے لگیں۔پیپلز پارٹی سے تو توقع ہی کیا ہونی تھی اس جمہوری دورِحکومت میں میاں برادران بھی انصاف، خدمت خلق، معاشی بہتری، قانون کی بالادستی، جمہوریت اور عدلیہ کی بحالی کے لیے سرگرداں ہوں گے یا نہیں، سرگرم ضرور ہیں۔لیکن سیاست دانوں میں خاندانی حوالے سے ان کی جو دینی شہرت تھی اور اسلامی روایات میں ان کا ایک امتیاز مانا جاتا تھا، اب نہ تو وہ خود دین واسلام کا نام لیتے ہیں اور نہ ہی ان کا کوئی کارکن، باقی رہا عمل تو وہ سب کے سامنے ہے۔

بات شروع کی تھی ایک نظم ع یا اسلام پہ چلنا سیکھو یا اسلام کا نام نہ لو، سے کہ ہمارے سیاست دانوں نے اسلام پر چلنا تو شاید تھا ہی نہیں اب انھوں نے اس کا تذکرہ کرنا اور نام لینا بھی چھوڑ دیا ہے۔ جو حقیقتاً حصہ ہے اس ایجنڈے کا جو صلیبیوں نے نیو ورلڈ آرڈر کے نام سے دنیا میں نافذ کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے اور ثمن قلیل یعنی چند روزہ آسائش وعیاشی کی خاطر شعوری یا غیر شعوری طور پر ہمارے حکمران اس کے آلہ کار بن جاتے اور بن رہے ہیں۔بات سمجھ میں یہ آتی ہے کہ کہانی بھی وہی ہے اور ہدایت کار بھی وہی، صرف حسب موقع اداکار تبدیل ہوتے رہتے اور ہو رہے ہیں اللہ جانے کب ہماری قیادت حق قیادت کرنے کی اہل ہوگی۔

....

اب تک مختلف موقعوں پر بعض اباحیت پسند دانش ور اور دین سے بے بہرہ لیڈر حدود اسلامی پر رائے زنی تو کرتے رہے لیکن ان میں تبدیلی کی جرأت یا ان کے متعلق منفی سفارشات بلکہ سعیِ قانون سازی کی ہمت کوئی نہ کرسکا۔ یہ اعزاز بھی اب عوامی اور جمہوری حکومت حاصل کرنی کی کوشش کر رہی ہے کہ وہ پاکستان سے سزائے موت کا قانون ختم کرنے کا بل لا رہی ہے دلیل یہ دی جا رہی ہے کہ یہاں بے گناہ پھانسی پہ جھول جاتے ہیں اور مجرم بچ جاتے ہیں۔ دیکھئے ابھی تو ابتدائے ''حکومت'' ہے روتا ہے کیا آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

حالاں کہ تاریخ شاہد ہے کہ جن ممالک میں جن جن جرائم پر شرعی حدود کا نفاذ سرعام ہوتا رہا وہاں وہ جرم کم ہی نہیں ختم بھی ہوگئے اور سرعام سزا کی شرعی حکمت یہی تھی اور یہی ہے۔لیکن مغربی حکومتیں جرم ختم نہیں ہونے دیتیں بلکہ جرم کی حوصلہ افزائی کرتی رہتی اور قانونی موشگافیوں سے مجرموں کو بچاتی رہتی ہیں لیکن اس کی سزاؤں کو غیر انسانی کہتی، ان پر قدغن لگاتی اور ان کو ختم کرنے کے درپے رہتی ہیں، اور ہمارے دین سے بے بہرہ وجاہل حکم ران ان کی اندھی تقلید سے مشرف ہوکر ان کی رضا چاہتے رہتے ہیں۔ **یاللعجب!**

دعوت الی اللہ اور داعی کے اوصاف

محمد یحییٰ خلیق M-A علوم اسلامیہ، موڑ کھنڈا

دعوت الی اللہ انبیاء اور رسولوں کا مشن ہے۔انھوں نے اسی فریضہ کے سرانجام دینے کا حکم اپنے پیروکاروں کو بھی دیا۔

اسی مشن کی خاطر ہمارے نبی ﷺ سعی وکوشش فرماتے رہے اور اسی مقصد کے لیے جدوجہد کرنا آپ کے پیروکاروں کا امتیازی وصف ہے۔دور حاضر میں بے عملی، بدعملی اور بے دینی کا دور دورہ ہے۔اس کی بڑی وجہ دعوتِ دین کو قرآن وسنت سے جو اہمیت حاصل ہے وہ اسے نہیں مل رہی اور دوسری وجہ دعاۃ اور مبلغین کی اکثریت اس کے صحیح ومسنون طریقہ سے ناآشنا ہے۔انھیں معلوم ہی نہیں کہ مصلحین ومبلغین کو کن خوبیوں اور صلاحیتوں سے متصف ہونا چاہیے۔

دعوت وتبلیغ کا موضوع اہمیت اور عظمت کا حامل ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کا تذکرہ فرمایا:

﴿ وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [آلِ عمران:١٠٤]

’’مسلمانوں تمہارے اندر ایک گروہ ہونا چاہیے جو بھلائی کی طرف دعوت دے اور برائی سے منع کرے اور یہی لوگ فلاح وکامرانی پانے والے ہیں۔‘‘

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾

’’تم بہترین گروہ ہو جسے لوگوں کی اصلاح کے لیے پیدا کیا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔‘‘ [آلِ عمران:١١٠]

دین کی تبلیغ اور دعوت۔برائی کے عام ہونے کے وقت فرض عین ہو جاتی ہے اور عام حالات میں فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے۔ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنی استطاعت وطاقت کے مطابق کوشش کرے۔اصلاح معاشرہ کے لیے دعوت ضروری عمل ہے۔حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد بنی آدم کو سیدھا راستہ دکھانا اور معاشرہ کی اصلاح کرنا ہی تھا۔

سید المرسلین حضرت محمد ﷺ نے دعوت وتبلیغ کے فریضے کو احسن طریقے سے نبھایا۔آپ ﷺ کے بعد سلسلہ بعثت ختم ہو چکا ہے۔اب یہ ذمہ داری علمائے کرام اور مبلغین کی بالاخص اور باقی مسلمانوں کی بالعموم ہے۔

ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری صرف علماء ومبلغین کی ہے۔وہ کہتے ہیں ہم تو دنیادار ہیں ہم کیا کر سکتے ہیں؟

یاد رہے یہ ایک شیطانی چال ہے ورنہ علم دین حاصل کرنا اور جس قدر معلوم ہو اس کی تبلیغ کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

بلغوا عنی ولو آیة ۔ [بخاری شریف: ٣٤٦١]

’’تبلیغ کرو خواہ ایک آیت ہی ہو۔‘‘

اگر آپ کو چھوٹی سے چھوٹی آیت کا علم حاصل ہو جائے تو اسے بیان کریں۔ممکن ہے سننے والا اس پر عمل کرے اور آپ اس کے اجر میں برابر کے مستحق بن جائیں۔کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من دل علی خیر فله اجر مثل فاعله ۔

’’رہنمائی کرنے اور بتانے والے کو عمل کرنے والے کی طرح اجر ملتا ہے۔‘‘ [مسلم شریف: ١٨٩٣]

اپنی استطاعت کے مطابق دعوت دینا لازمی ہے ورنہ وہ صورت

ہوگی جو ہم سے پہلے دوسری قوموں کی ہوئی۔(العیاذ باللہ)

فریضہ تبلیغ کو سرانجام نہ دینے کی پاداش میں نیک اور عابد لوگوں کو بھی عذابِ الٰہی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کی بداعمالیوں سے عام لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہیں فرماتا جب تک عام لوگوں کی حالت یہ نہ ہوجائے کہ اپنے سامنے برائیاں دیکھیں اور برائی سے منع کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود منع نہ کریں۔ جب وہ ایسا کرنے لگیں تو عام اور خاص سب پر عذاب آجاتا ہے۔

اس فریضہ کی اہمیت کے پیشِ نظر دعوت کے لیے اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔ شیریں گفتار اور نرم مزاجی کے ساتھ گفتگو کی جائے کسی کی عزتِ نفس کو مجروح نہ کیا جائے۔ ضد اور بحث نہ کی جائے۔ مناظرہ بازی بلکہ مجادلہ بازی سے محفوظ رہا جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس فریضہ کو بہترین اور احسن ترین عمل قرار دیا ہے۔

﴿ وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ [حم السجدہ:۳۳]

''اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس سے عمدہ کوئی چیز نہیں اور اس راہ سے زیادہ روشن راہ اور کوئی راہ نہیں اور اس عمل سے زیادہ ثواب والا کوئی عمل نہیں۔

[فتح القدیر: ٤/٧٣٤]

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''وہ لوگ کامل ایمان والے ہیں جنھوں نے اپنے اور دوسرے لوگوں کے نفوس کی تکمیل واصلاح کے لیے محنت فرمائی اور رسولوں کی کامل وراثت سے اپنے ایمانوں کو جلا بخشی۔'' [تفسیر سعدی: ٨٢٠]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

دعوت الی اللہ رسولوں اور ان کے پیروکاروں کا اہم مشن ہے۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾

''کہ اے رسول ﷺ آپ کی طرف جو وحی کی گئی ہے اس کی تبلیغ کیجیے۔'' [المائدۃ:٦٧]

سرورِ کائنات نے ارشاد فرمایا:

العلماء ورثة الانبياء۔ [بخاری، کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل]

''علمائے کرام انبیاء کے وارث ہیں۔''

خاتم النبیین ﷺ کی رحلت کے بعد دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری ہر امتی پر عموماً اور ہر عالم دین پر خصوصاً عائد ہوتی ہے۔ لیکن اس کی اہم ترین اور مؤثر ترین شکل یہ ہے کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی طرح یہ فریضہ سرانجام دیا جائے۔ اس اہم اور عظمت وشان والے کام کے سرانجام دینے والوں کا درج ذیل اوصاف سے متصف ہونا لازمی ہے۔ اگر وہ ان اخلاق واوصاف سے مزین ہوں گے تو ان کی دعوت مؤثر ہوگی اور لوگ اسے قبول بھی کریں گے۔

(۱)......اخلاصِ نیت:

داعی اور مبلغ کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنے اس فریضہ کی ادائیگی میں اخلاص نیت سے کام لے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انما الاعمال بالنیّات۔

[بخاری، رقم:١۔ مسلم: ١٩٠٧/١٥٥]

''یقیناً تمام عملوں کا دارومدار نیت پر ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

ان اللّٰہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم۔ [بخاری ومسلم:٢٥٦٤/٣٤]

''خدائے لایزال تمہاری صورتیں نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں پر نگاہ رکھتے ہیں۔''

لہٰذا مبلغین اور مصلحین کو چاہیے کہ وہ اوّلاً اپنی نیت میں خلوص پیدا کریں تاکہ عنداللہ بھی ماجور ہوسکیں۔

(۲)......حسنِ اخلاق:

داعی حق کے لیے سب سے زیادہ ضروری صفات میں سے ایک یہ

بھی ہے کہ اسے نرم خو، تحمل مزاج اور عالی ظرف ہونا چاہیے اس کو اپنے ساتھیوں کے لیے شفیق، عامۃ الناس کے لیے رحیم اور اپنے مخالفوں کے لیے حلیم ہونا چاہیے۔

اس کو اپنے رفقاء کی کمزوریوں کو بھی برداشت کرنا چاہیے اور اپنے مخالفین کی سختیوں کو بھی اسے شدید سے شدید اشتعال انگیز مواقع پر بھی اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھنا چاہیے۔ نہایت ناگوار باتوں کو بھی عالی ظرفی کے ساتھ ٹال دینا چاہیے۔ کیوں کہ سخت گیری، درشت خوئی اور تلخ گفتاری اس کارِ دعوت کے لیے زہر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے کام بگڑتا ہے، بنتا نہیں ہے۔ اسی چیز کو نبی ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ میرے ربّ نے مجھے حکم دیا کہ غضب اور رضا دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کہوں جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں، جو مجھے میرے حق سے محروم کرے، میں اسے اس کا حق دوں، جو میرے ساتھ ظلم کرے میں اس کو معاف کردوں۔ [مسند احمد]

اسی چیز کی تعریف اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے حق میں بیان فرمائی ہے کہ

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ [آلِ عمران:۱۵۹]

"یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لیے نرم ہوں ورنہ اگر آپ درشت خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب لوگ آپ ﷺ کے گرد وپیش سے چھٹ جاتے۔"

دعوتِ حق کی کامیابی کا گر یہ ہے کہ آدمی فلسفہ طرازی اور منطق کی گتھیوں کو سلجھانے کی بجائے لوگوں کو معروف یعنی ان سیدھی اور صاف بھلائیوں کی تلقین کرے جنھیں بالعموم سارے انسان ہی بھلا جانتے ہیں، یا جن کی بھلائی کو سمجھنے کے لیے وہ عقل عام کافی ہوتی ہے جو ہر انسان کو حاصل ہے۔ اس طرح داعی حق کی اپیل عوام وخواص سب کو متاثر کرتی ہے اور ہر سامع کے کان سے دل تک پہنچنے کی راہ نکال لیتی ہے۔ بقول شاعر ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

ایسی دعوت کے خلاف جو لوگ شور برپا کرتے ہیں وہ خود اپنی ناکامی اور اس دعوت کی کامیابی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ کیوں کہ عام انسان خواہ وہ کتنے ہی تعصّبات میں مبتلا ہوں جب یہ دیکھتے ہیں کہ ایک طرف شریف النفس اور بلند اخلاق انسان ہے جو سیدھی سیدھی بھلائیوں کی دعوت دے رہا ہے۔ اور دوسری طرف بہت سے لوگ اس کی مخالفت میں ہر قسم کی اخلاق وانسانیت سے گری ہوئی تدبیریں استعمال کر رہے ہیں تو رفتہ رفتہ ان کے دل خود بخود مخالفین حق سے پھرتے اور داعی حق کی طرف متوجہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔

یہی وہ حکمت تھی جس کی بدولت نبی ﷺ کو عرب میں کامیابی حاصل ہوئی اور پھر آپ کے بعد تھوڑی ہی مدت میں اسلام کا پیغام ہر سو پھیل گیا۔

(۳)......جاہلوں سے کنارہ کشی:

دعوت کے کام میں جہاں یہ بات ضروری ہے کہ طالبین خیر کو معروف کی تلقین کی جائے۔ وہاں یہ بات بھی اتنی ہی ضروری ہے کہ جاہلوں سے نہ الجھا جائے خواہ وہ الجھنے اور الجھانے کی کوشش کریں۔

داعی کو اس معاملہ میں سخت محتاط ہونا چاہیے کہ اس کا خطاب صرف ان لوگوں سے رہے جو معقولیت کے ساتھ بات کو سمجھنے کے لیے تیار ہوں اور جب کوئی شخص جہالت پر اتر آئے اور حجت بازی، جھگڑالو پن اور طعن وتشنیع شروع کردے تو داعی کو اس کا حریف بننے سے انکار کردینا چاہیے اور **واعرض عن الجاھلین** پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اس جھگڑے میں الجھنے کا کچھ حاصل نہیں ہے اور نقصان یہ ہے کہ داعی کی جس قوت کو اشاعت دعوت حق اور اصلاح نفوس میں خرچ ہونا چاہیے وہ اس فضول کام میں ضائع ہوجاتی ہے۔

(۴)......حکیم مبلغ اور نادان مبلغ میں فرق:

حکیم ونادان مبلغ میں بہت فرق ہے حکیم موقع شناسی سے بات کرتا ہے جب کہ نادان مبلغ اپنی بھونڈی تبلیغ میں جو موقع ومحل کا لحاظ کیے بغیر لوگوں کے کانوں میں زبردستی اپنی دعوت ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے۔

حکیم مبلغ علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ حالات حاضرہ سے واقف ہوتا ہے۔ یعنی وہ زمانے سے باخبر ہوتا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ

سامع کا مرض کیا ہے اور کون سا نسخہ اس کے مزاج کے موافق ہوسکتا ہے۔

حاذق طبیب اپنے مریض کے مرض کی پہلے تشخیص کرتا ہے اور پھر مزاج کے موافق دوا تجویز کرتا ہے۔ پھر دوا کے استعمال کی ترکیب بتاتا ہے۔ نیم حکیم کو مرض کی تشخیص آتی ہے نہ ٹھیک دوا کا انتخاب کرپاتا ہے نہ اسے یہ خبر ہے کہ دوا کی مقدار کیا ہے؟

بس اسے یہ دعویٰ چین نہیں لینے دیتا کہ میرے پاس خالص دوا ہے۔ چاہے وہ مریض کے مزاج کے مخالف ہو چاہے دوا کچھ اور ہوا اور مرض کچھ اور ہو فارمیسی کی ہر دوا ہر مریض کے لیے شفاء کا باعث نہیں ہوتی۔ کلاس میں صرف کتاب کافی نہیں ہوتی بلکہ اسے سمجھانے والا ٹیچر بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس کی مثالیں سیرت پیغمبر ﷺ سے ملتی ہیں۔

❀......کسی کے شرم وحیاء کے معیار کو بلند کرنا ضروری سمجھا تو فرمایا:

اُوصيك ان تستحى من الله كما تستحى الرجل من قومك ۔ [مجمع: ۱۰/ ۲۸۴]

''میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ تو اللہ تعالیٰ سے یوں حیا کر جیسے تو اپنی قوم سے لوگوں سے حیا کرتا ہے۔''

❀......کسی کو استقامت علی الحق کا علم بردار بنانا تھا اور اس کمی کو پورا فرمانا تھا تو فرمایا:

اُوصيك ان لا تشرك بالله شيئاً وان قطعت او حرقت بالنار ۔ [كنز: ٤٣٩٨٦]

پس تجھے وصیت کرتا ہوں کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تیرے جسم کے ٹکڑے کردیئے جائیں یا تجھے آگ میں جلادیا جائے۔''

❀......کسی میں اللہ کے خوف کی کمی پائی تو فرمایا:

اوصيك بتقوى الله فانه راس الامر ۔

''میں تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے کی کہ یہ سارے امور کی جڑ ہے۔'' [کنز: ۴۳۵۹۳۔ مسند احمد: ۸۲/۳]

❀......کسی میں حسن اخلاق کی کمی دیکھی تو فرمایا:

اُوصيك بحسن الخلق وطول الصحت ۔

[میزان: ۴۲۸۴]

''میں تجھے حسن اخلاق اور خاموشی کی تاکید کرتا ہوں۔''

❀......کسی میں سچائی کی کمی پائی تو فرمایا:

اوصيك بصدق الحديث ۔ [كنز:٤٣١٩٥]

''میں تجھے سچی بات کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔''

❀......کسی کو وعدے کی خلاف ورزی کرتے پایا تو فرمایا:

اُوفِ بعهد الله و ميثاقه ۔ [مجمع: ۲۳۳/۸]

''اللہ کے وعدے کو ایفاء کر۔''

الغرض اس طرح کے سینکڑوں، ہزاروں نسخے ہر مریض کے مطابق حکیم حاذق جناب محمد ﷺ نے جدا جدا تجویز فرمائے۔ اللہ کی طرف سے جو حکم ملا تھا کہ

''اپنے ربّ کے راستے کی دعوت دیجیے حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔'' [النحل: ۱۲۵]

آپ نے اس حکم کی تعمیل عمدہ طریقے سے کرکے دکھادی۔ آپ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، قابلیت اور حالات کو سمجھ کر نیز موقع ومحل کو دیکھ کر ارشاد فرماتے۔ سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکتے جس شخص، یا گروہ سے سابقہ پیش آتا۔ پہلے اس کے مرض کے تشخیص کرتے پھر ایسے حکیمانہ دلائل سے اس کا علاج فرماتے کہ اس کے دل ودماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کو جڑ سے نکال باہر کرتے۔

آپ کی تبلیغ سے دل سوزی اور خیرخواہی ٹپکتی تھی۔ سننے والا کبھی یہ محسوس نہ کرتا کہ مجھے حقیر سمجھ کر بات کررہے ہیں بلکہ وہ سمجھتا کہ دل میں اصلاح کی تڑپ لیے ہوئے گفتگو فرمارہے ہیں جس سے سراسر اس کی بھلائی مقصود ہے۔

(۵)......افہام وتفہیم نہ کہ مناظرہ بازی:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ [النحل: ۱۲۵]

''اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے سے جو بہترین ہو۔''

یعنی اس کی نوعیت مناظرہ بازی اور دنگل کی نہ ہو۔ اس میں کج بحثیاں اور الزام تراشیاں نہ ہوں اس کا مقصود حریف مقابل کو خاموش کردینا اور اپنی زبان آوری کے ڈنکے بجانا نہ ہو بلکہ اس میں شیریں

کلامی ہو۔اعلیٰ درجہ کا شریفانہ اخلاق ہو۔

معقول اور دل لگتے دلائل ہوں۔مخاطب کے اندر ضد اور ہٹ دھرمی نہ پیدا ہونے دی جائے۔سیدھے سیدھے طریقہ سے اس کو بات سمجھانے کی کوشش کی جائے اور جب محسوس ہو کہ وہ کج بحثی پر اتر آیا ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔مبلغ کو فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ وہ مخاطب کے دل کا دروازہ کھول کر حق بات اس میں اتار دے اور اسے راہِ راست پر لائے۔

اس کو ایک پہلوان کی طرح نہیں لڑنا چاہیے جس کا مقصد اپنے مدّ مقابل کو نیچا دکھانا ہوتا ہے۔بلکہ اس کو حکیم کی طرح چارہ گری کرنی چاہیے جو مریض کا علاج کرتے ہوئے ہر وقت یہ بات ملحوظ رکھتا ہے کہ اس کی اپنی کسی غلطی سے مریض کا مرض اور زیادہ نہ بڑھ جائے اور اس امر کی پوری کوشش کرتا ہے کہ کم سے کم تکلیف کے ساتھ مریض شفایاب ہو جائے۔

مریض کو جب یقین ہو جاتا ہے کہ ڈاکٹر میرا ہمدرد ہے تو دل کا آپریشن کروانے کے لیے خود اس کے سامنے لیٹ جاتا ہے اور اپنا سینہ کاٹنے کے لیے پیش کر دیتا ہے۔بعض دفعہ ایسا مریض قلب اپنی موت کے کاغذ پر بھی دستخط کر دیتا ہے کہ دوران آپریشن مر بھی جاؤں تو ڈاکٹر پر کوئی گلا نہیں ہوگا۔کیوں کہ وہ ہمدردانہ اور مخلصانہ کوشش کرے گا اور وہ جان بوجھ کر مجھے موت کے منہ میں نہیں دھکیلے گا۔

اسی طرح جہالت کے مریض کو اگر یقین ہو جائے کہ داعی حق میرا دلی ہمدرد ہے یہ مجھے نارِ جہنم سے بچانے میں مخلصانہ کوشش کر رہا ہے تو وہ مریض جہالت بھی اپنی جہالت کا آپریشن کروانے کے لیے خود کو پیش کر سکتا ہے۔بس شرط ہے داعی کے حکیم ہونے کی۔

(۶)......داعی کا عامل ہونا:

داعی کے اوصاف میں ایک اہم بلکہ بنیادی وصف یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنی دعوت کا اوّلین مخاطب ہو اور سب سے پہلے اس پر عمل کرنے والا ہو۔اس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔کیوں کہ اس سے دعوت حق کمزور ہو جاتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ [الصف:۲]

''جو کام کرتے نہیں، سو دوسروں کو کیوں کہتے ہو۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔'' [البقرۃ:٤٤]

(۷)......داعی کا اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق:

داعی کو چاہیے کہ وہ مدعوالیہ (اللہ تعالیٰ) سے اپنے تعلق کو مضبوط رکھے۔کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے داعی اعظم ﷺ کو حکم دیا:

﴿ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ ﴾ [العلق:۱۹]

حدیث میں آتا ہے کہ آدمی سجدے کی حالت میں اپنے ربّ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔لہٰذا نماز اور سجدوں کی کثرت تہجد کا اہتمام ایک داعی کی اہمیت والی صفت ہونی چاہیے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُمْ فَاَنْذِرْ o وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ o وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ o ﴾

''اپنے ربّ کی کبریائی بیان کریں اور اپنے لباس و کردار کو صاف ستھرا رکھیے۔'' [المدثر:۲-٤]

ایسے ہی سورہ مزمل کے شروع میں بھی داعی کے لیے اس سلسلہ کی قریباً رہنمائی دی گئی ہے۔اس میں پہلا حکم قیام اللیل ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ قیام اللیل اور کثرتِ سجود اللہ کے قرب کو حاصل کرنے کا قوی ترین سبب ہے۔اس لیے داعی کو چاہیے کہ وہ دنیوی زیب و زینت سے قلبی تعلق منقطع کر کے صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بنائے۔

پیغام حقیقت کیا ہے، جس کی تبلیغ ضروری ہے؟

آخر میں یہ جاننا بھی ایک داعی کے لیے ضروری ہے کہ انسانیت کے لیے پیغام کیا ہے جس کی تبلیغ کی ضرورت ہے؟ قرآنِ کریم میں تمام انبیاء کی دعوت کی قدر مشترک یہ ہے: ''اعبدوا اللہ'' کہ اللہ کی بندگی کرو۔

یہ چھوٹا سا جملہ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ ایک اللہ کی بندگی کیا ہے؟ حالاں کہ یہی مدار تبلیغ انبیاء ہے۔''اعبدوا اللہ'' یہ وہ ابدی پیغام حقیقت ہے جسے سب نبیوں نے اپنی اپنی قوموں کے سامنے پیش کیا۔ عموماً ان قوموں نے اس پیغام کو ردّ کر دیا کیوں کہ وہ اس پیغام کی حقیقت

جان گئے تھے کہ اس پیغام کو ماننے کا مطلب یہ ہے ہم اپنے من مانے نظامِ زندگی سے دستبردار ہوجائیں۔ اس پیغام کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح ساری کائنات میں اللہ تعالیٰ کا قانون اور حکم چلتا ہے اسی طرح انسانوں کو اختیار وارادہ کی قوت دے کر امتحان گاہ میں کھڑا کردیا گیا کہ اللہ کے احکام وقوانین کو اپنی انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی اور معاشرتی زندگی تک لاگو کرلو۔

''اعبدوا اللہ'' کی عملی تفسیر نبیوں کے سردار کی پوری زندگی نمونہ بنا دی گئی۔ وہ فخرِ انبیاء اعلانِ نبوت سے قبل، غارِ حرا کی تنہائیوں میں پرسکون عبادت میں مصروف تھے۔ مگر اللہ کو یہ منظور نہ ہوا بلکہ تمام انسانیت کی فلاح کے لیے اپنے محبوب پیغمبر کو خلوت سے نکال کر جلوت میں لا کھڑا کیا۔ گوشہ عافیت کے بجائے اسے اللہ کے باغیوں میں اعلانِ حق کے لیے مقرر کیا۔ آپ کا پیغام کیا تھا؟ قولوا لا الٰہ الا اللہ، لوگوں لا الٰہ الا اللہ کہہ لو یہ سن کر لوگ سیخ پا ہوگئے، مزاحمتیں شروع ہوگئیں، خیر وشر کا معرکہ برپا ہوگیا۔

ظاہراً صرف اتنا نظر آتا ہے کہ آپ نے بتوں کی نفی کی مگر جھگڑا صرف اتنا نہ تھا بلکہ پوری زندگی کا جو نظام چل رہا تھا اسے یکسر بدل کر ساری زندگی کی لگام اللہ کے ہاتھ میں دینا تھی کہ آپ جس کے اصل بندے ہیں اس کی بندگی وغلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال لیں۔ باقی سب اطاعتوں کے طوق گلے سے کاٹ پھینکیں۔ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے بعد تمہاری مرضی نہیں چلے گی۔ اب تم اپنے خالق کے شعوری غلام بن گئے ہو۔ غلام کی کیا مجال کہ اپنے آقا کے کسی حکم کی خلاف ورزی کرے۔ سرورِ کائنات کی بعثت کا آغاز اعبدوا اللہ اور قولوا لا الٰہ الا اللہ سے ہوا اور بعثت کی تکمیل خطبہ حجۃ الوداع کی شکل میں ہوئی۔

خاتمہ:

① ...... دعوتِ الی اللہ انبیاء اور رسولوں کا مشن ہے۔ انھوں نے اسی فریضہ کے سرانجام دینے کا حکم اپنے پیروکاروں کو بھی دیا۔ اسی مشن کی خاطر ہمارے نبی کریم ﷺ سعی وکوشش فرماتے رہے اور اسی مقصد ومنہج کے لیے جدوجہد کرنا آپ کے پیروکاروں کا امتیازی وصف ہے۔

② ...... اللہ مالک الملک نے امت پر دعوت کو فرض کیا۔ اسے امت کے خیر امم بننے کے اسباب میں ٹھہرایا اور اسے امت کی نصرت اور مدد کا موجب بنایا۔

③ ......لوگوں کو تعلیم خیر دینے والے پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے آسمانوں اور زمین کی مخلوق رحمت کی دعا کرتی ہے۔ علاوہ ازیں رحمت دو عالم حضرت محمد ﷺ نے اس شخص کی تروتازگی کے لیے دعا کی ہے جو آپ ﷺ کے احکامات کو دوسروں تک پہنچائے۔

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه۔

[الصحيحه: ٤٠٤۔ حلية: ٣٣١/٧۔ ابوداؤد: ٣٦٦٠۔ ترمذی: ٢٦٥٦]

④ ...... دعوتِ الی اللہ جہاد بھی ہے بلکہ بعض حالات میں جہاد بالسیف سے بھی اعلیٰ وافضل عمل ہے۔

اپیل:

① ...... ہم میں سے ہر ایک اپنے علم اور استطاعت کے مطابق دعوتِ الی اللہ کا فریضہ سرانجام دے تاکہ ہم اس اجرِ عظیم کو حاصل کرسکیں جو اللہ تعالیٰ نے اس عظیم عمل کو ادا کرنے والوں کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔

② ......حضرات علماء اور مبلغین کرام مسلمانوں کو دعوت الی اللہ کی اہمیت وعظمت سے آگاہ کریں شاید کہ ربّ قدیر ان کی اس کوشش سے امت میں دعوتِ حق کا دور دورہ فرمادے۔

بے خبر لوگ آگاہ ہوجائیں، غافل متنبہ ہوجائیں، سستی کرنے والے متحرک ہوجائیں اور دعوتِ حق میں مشغول حضرات کو تقویت وتائید مل جائے اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کچھ شکل نہیں۔ وماذالک علی اللہ بعزیز

③ ...... عالم اسلام کے جامعات، مدارس اور دیگر تعلیمی اداروں میں دعوت الی اللہ کے مضامین پڑھائیں جائیں۔ مختصر کورسز کروائے جائیں اس سلسلے میں سعودی عرب کے جامعات سے استفادہ کیا جائے کہ وہاں اس مقصد کی خاطر کلیات اور شعبے قائم کیے گئے ہیں اور دعوت کے مضامین مختلف کالجوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔



خواتین ایکٹ......اغراض ومقاصد،نتائج ومضمرات

حافظ صلاح الدین یوسف،مشیروفاقی شرعی عدالت، پاکستان

اسلامی سزائیں ہی گناہ کا کفارہ ہیں،دوسری سزائیں نہیں:

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ ایک مومن کے نزدیک آخرت کی زندگی، دنیوی زندگی سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ دنیا تو عارضی، فانی اور چند روزہ ہے جب کہ آخرت کی زندگی غیر فانی اور دائمی ہے۔ وہ دنیا کی چند روزہ عارضی زندگی کی خاطر آخرت کی دائمی زندگی کو خراب کرنا پسند نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ سے جب زنا جیسے گناہ کا صدور ہوگیا تو ازخود بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر بہ اصرار سزا کے ذریعے سے پاک ہونے کا اظہار فرمایا۔

اسی طرح غامدیہ عورت نے بھی آکر خود ہی اعترافِ زنا کیا، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کی وجہ سے اسے واپس فرمادیا تو بچہ جننے کے بعد پھر سزا کے لیے حاضر ہوئی، آپ نے اسے پھر واپس کردیا تاکہ ابھی وہ بچے کو دودھ پلائے، جب تیسری مرتبہ حاضر ہوئی تو بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا پکڑا کر لائی تاکہ اس دفعہ آپ اسے سزا دیے بغیر واپس نہ کریں۔ چناں چہ آپ نے اسے سنگسار کروادیا۔

ازخود جرم کا اقرار کرکے سزا کے لیے اتنی بے قراری کا اظہار یوں ہی بلا مقصد نہیں تھا، نہ کسی دماغی خلل اور فتور کا نتیجہ تھا، بلکہ اس کے پیچھے عقیدۂ آخرت کارفرما تھا۔ انھیں یہی فکر تھی کہ کہیں ہماری آخرت برباد نہ ہوجائے۔ دنیا کی یہ سزا (سنگساری) بھی اگرچہ بڑی سخت ہے لیکن آخرت کی سزا کے مقابلے میں کچھ نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نے جو سزائیں مقرر کی ہیں، وہ اُن گناہوں کا کفارہ ہیں جن کی وہ سزائیں ہیں، ان سزاؤں کے بعد انسان اس گناہ سے پاک ہوجاتا ہے۔ ان سزاؤں کو خوش دلی سے قبول اور گوارا کرلینا، ایسی سچی اور خالص توبہ ہے کہ اسے اگر ایک پوری بستی پر تقسیم کردیا جائے تو سب کی مغفرت کے لیے کافی ہوجائے۔ مذکورہ صحابی اور صحابیہ کا بجا طور پر یہی عقیدہ تھا کہ اگر دنیا کی یہ سزا ہم گوارا کرلیں گے تو آخرت کی سزا سے ہم محفوظ ہوجائیں گے۔ رضی اللہ عنہم وارضاہم

علاوہ ازیں اللہ کی کسی حد کا زمین پر نافذ کرنا اہل زمین کے لیے چالیس دن کی بارش سے زیادہ خیر وبرکت کا باعث ہے۔

عن ابی ھریرۃ اِقَامَۃُ حَدٍّ بِاَرْضٍ خَیْرٌ لِاَھْلِھَا مِنْ مَّطَرِ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً ۔

[النسائی، قطع السارق، حدیث: ۴۹۰۹]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حدود ہی وہ بابرکت سزائیں ہیں جن سے انسان پاک بھی ہوجاتا ہے اور اُخروی زندگی میں اُس گناہ کے عذاب سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اور اس کا نفاذ دنیوی خیر وبرکت کا باعث بھی ہے۔ لیکن اگر ان حدود کو دوسری سزاؤں میں بدل دیا جائے تو اس کے صاف معنی یہ ہوں گے کہ سزا پانے والا دنیوی عدالت میں تو سرخرو ہوجائے گا لیکن آخرت کی اصلی عدالت میں وہ بدستور مجرم ہی رہے گا۔ علاوہ ازیں دنیوی خیر وبرکت سے بھی اس علاقے کے لوگ محروم رہیں گے۔ اب زنا اور قذف کی اصلی سزائیں جو اللہ نے مقرر کی ہیں، بدلنے والے سوچ لیں کہ وہ ان میں تخفیف کرکے مجرموں اور اہل زمین پر احسان کررہے ہیں یا ان پر ظلم کررہے ہیں؟ ظاہر بات ہے کہ یہ سراسر ان پر ظلم ہے کہ دنیوی سزا بھگتنے کے باوجود بارگاہِ الٰہی میں وہ مجرم کے مجرم اور رُوسیاہ ہی رہیں گے اور پورا کا پورا ملک دنیوی خیر وبرکت سے محروم رہے گا۔

خواتین ایکٹ کے اصل اغراض ومقاصد:

علاوہ ازیں سزاؤں میں تخفیف سے جرائم کی حوصلہ شکنی کے بجائے حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ہمارے خیال میں خواتین ایکٹ سے اصل مقصود یہی ہے۔ ہمارے صدر صاحب اول روز سے جس ''روشن خیالی'' کا اظہار کررہے ہیں۔ زیر بحث قانون بھی ان کی اسی ''روشن خیالی'' کا ایک مظہر ہے۔

اس ترمیمی قانون کے ذریعے سے مغرب اسلامی ملکوں میں جو کچھ کرنا چاہتا ہے، اس کی طرف کافی پیش رفت ہوگئی ہے اور وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟

مغربی تہذیب اور اس کے فلسفے کے مطابق وہ چاہتا ہے کہ مغربی ملکوں کی طرح

- ......اسلامی ملکوں میں بھی اخلاقی جرائم عام ہوں۔
- ......زنا کاری کی سہولتیں عام ہوں۔
- ......خاندانی نظام لوٹ پھوٹ کا شکار ہوجائے جو ابھی تک بہت حد تک محفوظ ہے۔
- ......بن بیاہی (کنواری) ماؤں کا وہاں بھی طوفان آجائے۔

اسلامی ملکوں کے مغربی آقا، تہذیبی میدان میں، اپنے مشرقی شاگردوں اور ایجنٹوں کے ذریعے سے مذکورہ چاروں مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ زیر بحث قانون میں ایسی ماہرانہ چابک دستی سے کام لیا گیا ہے کہ اس ایک تیر سے دو نہیں، چار شکار ہوں گے یعنی چاروں مقاصد حاصل کرنے کا بندوبست کرلیا گیا ہے۔ وہ کس طرح؟ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱)......اخلاقی جرائم کی کثرت اور مجرمین کی حوصلہ افزائی:

اخلاقی جرائم اس طرح عام ہوں گے کہ اللہ کا خوف تو ویسے ہی تقریباً مفقود ہے جو جرائم کی حوصلہ شکنی میں سب سے زیادہ مؤثر ہے۔ معاشرے کی ذلت ورسوائی کا خوف کنڈوم اور اس طرح کی دیگر مانع حمل ادویات نے ختم کردیا ہے جو بدکاری کی راہ میں دوسری بڑی رکاوٹ ہے۔ تیسرے نمبر پر سخت سزاؤں کا خوف ہے جو مجرمانہ ذہنیت رکھنے والوں کو جرائم سے باز رکھتا ہے۔ حدود آرڈی نینس اگرچہ عملی طور پر غیر مؤثر تھا۔ لیکن اس میں درج سخت سزاؤں (کوڑے اور سنگساری) کا خوف ہی مجرمین کی حوصلہ شکنی کے لیے بڑا اہم اور نہایت مؤثر تھا۔ زیر بحث قانون نے زنا کی وہ اصل سزائیں، جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئی اور چودہ سو سال بالاتفاق مسلّم چلی آرہی ہیں۔ علاوہ ازیں وہ نہایت عبرت ناک ہیں۔ انھیں یک قلم ختم کرکے آسان سی سزائیں تجویز کی گئی ہیں اور وہ ہیں زیادہ سے زیادہ پانچ سال قید اور دس ہزار روپے تک جرمانہ۔ اسی طرح قذف کی قرآنی سزا اسّی کوڑے ختم کرکے اس کے لیے مذکورہ سزا (پانچ سال تک قید اور دس ہزار روپے تک جرمانہ) ہی تجویز کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں یہ سزا بھی زنا بالرضا کی ہے زنا بالجبر کی نہیں۔ حالاں کہ اسلام میں سرے سے یہ تقسیم ہی نہیں ہے۔ (جس پر آگے چل کر گفتگو ہوگی) پھر ستم بالائے ستم مبادیاتِ زنا، اقدامِ زنا، سرعام فحاشی، بوس وکنار وغیرہ جرائم کی سزائیں (جو حدود آرڈی نینس میں تھیں) یکسر ختم کرکے ان تمام بے حیائیوں کا راستہ چوپٹ کھول دیا گیا ہے۔

شریعت میں زنا کی اصل سزا کیا ہے؟ وہ ہے شادی شدہ زانیوں کے لیے سنگساری اور کنوارے زانیوں کے لیے سو کوڑے۔ علاوہ ازیں اس میں رضا مندی یا جبر کے حساب سے کوئی تفریق بھی نہیں۔ البتہ عورت، جبر کی صورت میں سزا سے مستثنیٰ ہوگی، صرف مرد سزایاب ہوگا۔ لیکن زیر بحث قانون میں ایک تو زنا کو مغربی معاشرے کی طرح دو قسموں میں تقسیم کردیا ہے بالرضا اور بالجبر۔ دوسرے نمبر پر اس کی اصلی سزا جو نہایت عبرت ناک تھی، اسے ختم کردیا۔ تیسرے نمبر پر اس کا طریق کار بھی دنیا سے ایسا نرالا اور انوکھا تجویز کیا گیا ہے کہ کسی کو سزا ملنا ہی کارے دارد ہوگیا۔ چوتھے نمبر پر سزا ملی بھی تو برائے نام ہوگی جس سے کسی کو بھی عبرت نہیں مل سکتی بلکہ مجرمین کی حوصلہ افزائی ہی ہوگی۔

(۲)......بدکاری کی بہتات:

مجرمین کی حوصلہ افزائی کے نتیجے میں اخلاقی جرائم عام ہوں گے اور زنا کی اصل سزا اور مبادیاتِ زنا کی سزا ختم کرنے سے زنا کاری کی

لعنت وبائے عام کی صورت اختیار کر لے گی جیسے یورپ وغیرہ میں ہے۔

(۳)......خاندانی نظام کی تباہی:

جب مرد وعورت دونوں کو قانونی طور پر زنا کی سہولتیں حاصل ہوجائیں گی تو اسی طرح خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجائے گا جیسے مغرب میں یہ نظام تباہ ہو چکا ہے۔مغرب امداد اور اصلاح کے نام سے پاکستان کے اسلامی معاشرے کو بھی مادر پدر آزاد معاشرے میں تبدیل کرنا چاہتا ہے جس سے خاندانی نظام بربادی کا شکار ہوجائے گا۔

(۴)......بن بیاہی (کنواری) ماؤں کا طوفان:

سولہ سال تک کی بچی زنا بالجبر کی سزا سے مستثنیٰ ہوگی۔تو اس کا مقصد بھی پاکیزہ معاشرے کی بجائے ایسے معاشرے کو معرضِ وجود میں لانا ہے جس میں بلوغت کے ساتھ ہی جنسی مخالطت کا نہ صرف آغاز ہوجائے بلکہ اس کی ترغیب وترویج کا بھی اہتمام ہو جیسے مغرب اور انگلستان وغیرہ میں ہے۔وہاں سولہ سال سے کم عمر کی بیشتر لڑکیاں اپنی رضامندی سے جنسی بدفعلی کی مرتکب ہوتی ہیں جیسے کہ لاس اینجلس ٹائمز کی ۴مارچ ۲۰۰۵ء کی رپورٹ میں اسی شہر کے چھٹی کلاس کے طلباء وطالبات کا ایک سروے شائع کیا گیا ہے۔اس میں بتلایا گیا ہے کہ ۷۰ فی صد بچے جنسی بے راہ روی کے مرتکب پائے گئے ہیں۔ایسے ہی آئے روز سکولوں کی طالبات کے حاملہ ہونے کی خبریں وہاں کا معمول ہیں۔

[بحوالہ ماہنامہ ''محدث'' دسمبر ۲۰۰۶ء]

اس طرح وہاں بن بیاہی (کنواری) ماؤں کا ایک طوفان آیا ہوا ہے جس کا تناسب کسی جگہ ۶۰ فی صد اور کسی جگہ ۵۰ فی صد اور کسی جگہ ان سے بھی زیادہ ہے۔

نئے قانون کے سربستہ راز کھلنے کی دیر ہے:

ابھی تو اکثر عوام کو پتا نہیں ہے کہ یہ نیا قانون کیا ہے؟ اور زنا کاروں کو اس میں کیسی کیسی سہولتیں دی گئی ہیں اور سزا کے عمل کو کس طرح اتنا پیچیدہ بنا دیا گیا ہے کہ کسی کو سزا ملنا ہی نہایت مشکل ہے۔لیکن جب آہستہ آہستہ اس قانون کی پرتیں کھلیں گی، اس کے سربستہ اسرار واضح ہوں گے اور وکیلوں کی قانونی موشگافیاں مجرموں کی ہم نوائی اور ان کی حوصلہ افزائی کریں گی تو پھر دیکھنا کہ مغربی آقاؤں کی امیدیں کس طرح برآتی ہیں اور ہمارا معاشرہ بدکاری کی راہ پر کس طرح بگٹٹ دوڑتا ہے۔

لَا قَدَّرَهَا اللّٰهُ ثُمَّ لَا قَدَّرَهَا اللّٰهُ۔

خواتین ایکٹ کے نہایت خطرناک عواقب ومضمرات:

یہی وجہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں کے مغربی آقایانِ ولی نعمت نے حدود آرڈی نینس کی تنسیخ اور اس کی جگہ نئے ترمیمی قانون کی نہ صرف حمایت کی ہے بلکہ اس پر نہایت مسرت کا اظہار کیا ہے۔امریکا اور برطانیا وغیرہ کے مبارک بادی اور آشیر بادی پیغامات اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔

اس سلسلے میں ریٹائرڈ جسٹس خلیل الرحمٰن خان کے مضمون کا ایک حصہ بھی بڑا چشم کشا ہے جو روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور میں چار قسطوں میں شائع ہوا ہے۔جسٹس صاحب موصوف لکھتے ہیں:

تحفظ حقوقِ نسواں ایکٹ کے تحت جس طرح شادی کا اسلامی اور قانونی تصور مسخ کیا جارہا ہے۔اسی طرح خاندانی نظام اور قانونی وراثت میں ناجائز مداخلت کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔اس ایکٹ کو پارلیمان سے منظور کرانے کا پس منظر کیا ہے؟ حکومتی حلقے اصرار سے دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ دوررس تبدیلیاں عورتوں کی حالت بہتر بنانے اور ان کے حقوق کے حصول کو یقینی بنانے اور قوم وملک کے بہترین مفاد میں کررہے ہیں۔یہ تبدیلی نہ تو مغرب کے کلچر کی تقلید ہے اور نہ ہی یہ مغربی ایجنڈہ کی پیروی ہے۔قارئین بہرحال جانتے ہیں کہ بہت سی این جی اوز نے چند سال سے ڈالر کمانے کے لیے اسلامی قوانین کے خلاف کئی اداروں کی معاونت سے ایک طوفان برپا کررکھا تھا۔اس میں اس سال الیکٹرانک میڈیا بھی شامل کیا گیا۔یہ بات زبان زد عام تھی کہ ایک صد ملین ڈالر بالا دست قوت اسلامی قوانین کے خلاف مہم پر خرچ کررہی ہے۔

پھر یہ بھی دیکھا گیا کہ ایک ٹی وی چینل نے ہر بڑے شہر میں لمبے چوڑے بورڈ اور ہورڈنگ لگوائے۔ٹی وی پر حدود قوانین پر پروگرام پیش کرنے سے پہلے جن پر لکھا تھا ''ذرا سوچیے'' بھاڑ میں جائیں مشرقی اقدار۔اسلامی عفت اور شرم وحیا کی روایات اور ایکٹ کے نفاذ کے بعد

اسی چینل پر سکرپٹ چلائی جاتی ہے۔''سوچنے کا شکریہ'' مبارک ہو پارلیمان کے ممبران کو جن کے ووٹ سے قانون منظور ہوا اور مغرب کے ایجنڈا میں دیے گئے کام (Job) کی تکمیل ہوئی۔ کیوں کہ امریکا کے اخبارات، ان کے کار پردازان اور تھنک ٹینک اس کام کی تکمیل پر اس از حد خوش ہیں۔

امریکا کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے بیورو آفس آف ڈپلومیسی اور ہیومن رائٹس ولیبر کی مؤرخہ ۸ نومبر ۲۰۰۵ء کو جاری شدہ رپورٹ اس معینہ کام (Job) کے بارے میں بہت کچھ واضح کرتی ہے۔اس رپورٹ میں درج ہے:

۲...... ''تعلیمی اصلاحات کی ابتدائی کوششوں کے طور پر امریکی حکومت نے نصاب میں ترمیم کے لیے وزارتِ تعلیم کی امداد جاری رکھی۔ اس میں مذہبی عدم رواداری کی حامل تعلیمات کا نصاب سے اخراج بھی شامل تھا۔امریکی سفارت خانے کے حکام نے مدارس کے نصاب میں بھی ایسی ہی تبدیلیاں لانے کے لیے تمام ذمہ داران سے مسلسل رابطے کا کام انجام دیا۔ سفارت خانے کے حکام نے ارکانِ پارلیمنٹ اور حکومت پر زور دیا کہ توہین رسالت آرڈی نینس اور حدود آرڈی نینس کے غلط استعمال کو کم سے کم کرنے کے لیے ان میں ترامیم کی جائیں۔انھوں نے سرکاری حکام اور مذہبی رہنماؤں کے ساتھ ملاقاتوں میں انھیں اپنی اس تشویش سے آگاہ کیا کہ شمالی علاقہ جات میں آغا خان کے اسماعیلی پیروکاروں کے خلاف جذبات بھڑکائے جارہے ہیں اور وہاں فرقہ پرستی کے ہنگامے زوروں پر ہیں۔''

اس تیرہ صفحات پر مشتمل رپورٹ میں تعلیمی نصاب کی تشکیل نو اور تشہیر، قادیانی اصحاب و دیگر اقلیتوں اسماعیلی پیروکاروں سے سلوک اور مدرسہ کے نصاب میں تبدیلی کے بارے میں امریکا گورنمنٹ کی کوشش، تحریک اور تجاویز اور امریکا کے سفارت کاروں کی ان معاملات میں حکومت پاکستان کے افسروں اور وزارتِ تعلیم اور وزارتِ مذہبی امور کو ترغیب اور معاونت کی تفصیل درج ہے۔رپورٹ کے آخری مجملہ باتوں کے جو اختتامی ریمارکس دیئے، وہ قابل توجہ ہیں۔

''مذکورہ رپورٹ کے مطابق اس عرصے میں امریکی سفارتی حکام نے زیادہ تر توہین رسالت آرڈی نینس، تعلیم عامہ اور مدارس کی تعلیم، احمدی برادری سے سلوک، فرقہ ورانہ تشدد اور آغا خان کے اسماعیلی پیروکاروں پر روز افزوں سماجی دباؤ کے بارے میں تشویش ظاہر کی۔

امریکی حکومت کے اہل کاروں نے پاکستان کی حکومت، پارلیمنٹ کے ارکان اور حکام سے رسمی ملاقاتوں میں توہین رسالت قوانین اور حدود قوانین کے غلط استعمال بارے میں اپنی تشویش کا اظہار کیا۔سفارت خانے کے حکام نے کئی سیمیناروں میں شرکت کی جو این جی اوز نے ان مسائل پر بحث کرنے کے لیے منعقد کیے۔

حکومت نے جنوری ۲۰۰۵ء میں جونئی قانون سازی کی، اس میں بھی اس سمت میں ایک اہم قدم اٹھایا گیا۔امریکا نے اپنے آل پبلک ایجوکیشن ریفارم پروگرام کے ایک جزو کے طور پر جس کی مالیت ۱۰ کروڑ ڈالر (5.8 ارب روپے) تھی، حکومت پاکستان کے نصابی اصلاحی اقدامات کے لیے خاطر خواہ مالی امداد فراہم کی، جس میں مذہبی عدم رواداری کی تعلیم (کے سدباب کے لیے دی گئی امداد بھی) شامل تھی۔''

اس کے بعد رپورٹ میں مدرسہ ریفارمز پروگرام کے بارہ میں جو نتائج حاصل کیے گئے، کا ذکر ہے۔ مدرسہ ریفارم میں امریکی حکومت کا دباؤ، کردار اور مالی معاونت ایک الگ مضمون ہے وہ بحث اور اس کی تفصیل کسی اور وقت کے لیے اٹھائے رکھتے ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ کہ کسی آزاد اور باوقار قوم اور حکومت کے لیے اس طرح ڈکٹیشن لینا اور امریکی سفارتی عملہ کا اس حد تک دخل دینا کہاں تک جائز ہے۔ ہمارے ملک اور ہماری قوم کے لیے نصاب تعلیم کیا ہونا چاہیے اور ہمارے قوانین کیا ہونے چاہئیں یہ ہمارا اندرونی اور ذاتی مسئلہ ہے اور ہمیں بتایا بھی یہی جاتا ہے کہ یہ سب کچھ ہم کسی کے دباؤ کے تحت نہیں بلکہ خود اپنے قومی اور ملی مفاد میں کر رہے ہیں۔لیکن ان سب رپورٹوں اور غیر ملکی اخباروں میں امریکی حکام کا دعویٰ ہے کہ ہمیں خوشی ہے کہ ان کی ریفارم تحریک بارآور ہو رہی ہے اور جب امریکی ڈالر اسی کام کی تکمیل کے لیے وصول کیے ہوں تو بہت نہیں تو تھوڑا سر تو نیچا

کرنا ہی پڑتا ہے۔(شرم آئے یا نہ آئے)

اور پھر کیا کیا جائے کہ جو کچھ ایسی رپورٹوں میں درج ہو وہی ہمارے محترم وزراء کرام کی پالیسی سٹیٹمنٹ میں بھی درج ہو۔ ملاحظہ وزیر تعلیم کا بیان:

''جنرل مضامین سے اسلامی مواد ہٹا دیں گے۔ نیا تعلیمی نصاب زور دے گا کہ پاکستان مذہبی ریاست نہیں۔ سکولوں میں تنگ نظر مذہبی رجحانات کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔ بچوں کو محض مولوی نہیں بنانا چاہیے۔ دوقومی نظریہ سے پیچھے نہیں ہٹ رہے۔ [نوائے وقت، ۱۹ دسمبر]

وزیر باتدبیر کو کون بتائے کہ حضور آپ تو وہی زبان بول رہے ہیں جو کہ ہمارے اور آپ کے آقا کے بیانوں اور رپورٹوں میں درج ہے۔ کون انھیں یاد دلائے کہ آپ آئین پاکستان کو بھی بھول گئے ہیں۔ آئین پاکستان کا آرٹیکل نمبر ۲ کہتا ہے کہ اسلام مملکت پاکستان کا مذہب ہے۔

Islam shall be state religion of pakistan.

اور ابھی تک آرٹیکل دو الف بھی دستور کا حصہ ہے اور آغاز یا مقدمہ Preamble میں بڑی صراحت کے ساتھ اسلام، عقیدہ اور ایمان سے وابستگی اور عوام کی زندگی اسلام کے اصولوں (جسے مغرب انتہا پسندی اور تنگ نظری کا نام دیتا ہے) سے زندگی استوار کرنے کے عزم کا اظہار کرتا ہے۔

اسلام تعلیم کے ذریعہ ہی ذہنی اور فکری انقلاب کا حامی ہے۔ ذہنی تربیت صرف اسلام کو ایک مضمون کے طور پر پڑھانے سے ممکن نہیں ہوتی جب کہ اس مضمون کو بھی خاص ڈھانچے میں ڈھالنے کا اہتمام ہو بلکہ یہ ایک ہمہ گیر پروگرام اور بامقصد تعلیمی پروگرام اور نظم سے ہی آتا ہے۔ اس ذہنی نشوونما میں فرق وہی کر سکتے ہیں جنہوں نے اسلامی سکولوں اور مشن سکولوں سے فارغ التحصیل بچوں کا موازنہ کیا ہو۔

مغرب کو کس قسم کا اسلام قبول ہے۔ اس کی وضاحت رینڈ کارپوریشن (ایک امریکی تھنک ٹینک) کی رپورٹوں سے عیاں ہے۔ انور سعید ایک امریکی مسلمان مفکر کا کہنا ہے کہ رینڈ کارپوریشن کی رپورٹیں مغربی کلچر کی یلغار کا حصہ ہیں جو کہ اسلام کا چہرہ مہرہ تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ بی نارڈ Benard جو زلمے خلیل زاد کی بیگم (زلمے خلیل زاد افغانستان میں امریکا کے سفیر رہے ہیں آج کل وہ عراق میں تعینات ہیں) کی رپورٹ کے بارے میں لکھتی ہیں کہ اس رپورٹ میں تجویز دی گئی ہے کہ امریکا کو ایک نئے اسلام کی ترویج کا ذمہ اپنے اوپر لینا چاہیے۔ ایک ایسا اسلام جو امریکی مفادات کے مطابق ہو۔

" Benard in her report suggest that America take upon itself to devise nothing less than a new "Islam" carefuly crafted in order to suit American interest. " ☆

سو پاکستان میں جدت پسند اور نئے اسلام کے حامی اور دیگر سیکولر خیال کی پولیٹیکل پارٹیز اسلامی قوانین، فوج داری نظام اور نظامِ تعلیم کو مغربیت کے پیمانے پر جانچتے ہوئے تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ حالاں کہ مسلمانوں کے قوانین روایات اور نظام کی روح اور مقاصد مغرب کے قوانین، روح اور مطمح نظر اور نظام سے کسی طور میل نہیں کھاتے۔ یہی وجہ ہے کہ دوقومی نظریہ، قائداعظم محمد علی جناح اور شاعر مشرق کے خیالات اور سوچ کو نئے معانی پہنائے جا رہے ہیں۔ بلکہ اب تو کچھ لوگ دوقومی نظریہ سانحہ ۱۹۷۱ء کے ساتھ ہی کالعدم اور غیر مؤثر ہونے کا پرچار بھی کر رہے ہیں۔ یقین نہیں آتا تو دیکھئے اخبار ڈان کا اداریہ مؤرخہ ۹ دسمبر ۲۰۰۶ء۔

اس یلغار کو روکنے کے لیے اسلامیانِ پاکستان کو آئین پاکستان، اس کے اسلامی نظریہ اور نظام کو بچانے کے لیے ایک سوچ اور ایک انداز کے ساتھ متحد ہو کر آگے آنا ہوگا ورنہ خالق و مالک کا فیصلہ تو اٹل ہے ہی۔

[روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور، ۵۴، ۵ جنوری ۲۰۰۷ء]

زیر بحث قانون کی وضاحت کے لیے چند واقعات اور خبریں:

علاوہ ازیں چند واقعات بھی جو اخبارات میں شائع ہوئے ہیں، ہماری آنکھیں کھولنے اور اس قانون کی اصل حقیقت (جس کی وضاحت

☆...... بینارڈ نے اپنی رپورٹ میں یہ مشورہ بھی دیا کہ ایک نیا اسلام وضع کرنے کا کام اپنے ذمے لے جو بڑی احتیاط سے گھڑا جائے تا کہ وہ امریکی مفادات کے لیے سازگار ہو۔

مذکورہ سطور میں کی گئی ہے) مزید واضح کرنے کے لیے کافی ہیں۔ مثلاً:
پیر پگاڑا نے اپنے اخباری ویا کھیان میں کہا:

''خواتین حدود بل وقت کی ضرورت ہے...... چار دیواری کے اندر بے ہودگی کی اجازت ہونی چاہیے۔'' [نوائے وقت، لاہور ے دسمبر ۲۰۰۶ء]

بے ہودگی کا مطلب، وہی جنسی آزادی ہے جس کی سہولت، تحفظ خواتین ایکٹ میں دی گئی ہے۔ پیر پگاڑا نے اس کی تائید کی ہے۔ سچ ہے

کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

دیپالپور: حدود قانون کی مخالفت پر دو نوجوانوں نے بزرگ کو پیٹ ڈالا۔ نوجوان قانون پر خوشی کا اظہار کررہے تھے، بزرگ نے حقیقت بتائی تو وہ برہم ہوگئے۔

دیپالپور (نامہ نگار) تحفظ حقوق نسواں بل پر دو نوجوان ایک بزرگ سے جھگڑ پڑے۔ تفصیلات کے مطابق گزشتہ روز مقامی کالج کے دو طالب علم کالج سے چھٹی کے بعد جنرل بس اسٹینڈ میں موجود حمام میں آئے اور کنگھا کرنے لگے اسی دوران ایک طالب علم نے اپنے دوسرے دوست طالب علم کو مخاطب ہو کر کہا کہ تحفظ حقوق نسواں بل اب پاس ہو چکا ہے اور مکمل آزادی ہوگئی ہے اب اپنی دوست لڑکی کو کہیں لانے یا لے جانے کی کوئی دقت نہیں رہی۔ اب پولیس کو کوئی اختیار نہیں رہا کہ وہ کسی کو پکڑے یا مقدمہ درج کرے۔ ان کی گفتگو سن کر حمام میں موجود عمر رسیدہ بزرگ نے ان سے کہا کہ آپ کو اس وقت اس بات کا احساس ہوگا جب تمہاری بہن یا بیٹی سے کوئی ایسا کرے گا اور شکایت لے کر جاؤ گے اور پولیس تمہیں قانونی کارروائی کرنے سے معذرت کرے گی جس پر وہ دونوں طالب علم شدید مشتعل ہوگئے اور اس کے گلوگیر ہوگئے اور غلیظ گالی گلوچ کرنا شروع کردی۔ قریبی دکان داروں نے حمام کے اندر جا کر بزرگ کی جان چھڑائی۔ [بہ شکریہ، ماہنامہ ''حرمین''، جہلم، نومبر، دسمبر ۲۰۰۶ء]

ایک اور مراسلہ ملاحظہ ہو جو ''نادیدنی'' کے عنوان سے نوائے وقت لاہور (۹ جنوری ۲۰۰۷ء کی اشاعت) میں شائع ہوا ہے۔

مکرمی! شام کے چار بجے تھے ہم اپنی بیگم کو ساتھ لے کر لاہور کے ایک پارک میں واک کے لیے گئے اور بھی بہت سے مرد و خواتین اور بچے سیر و تفریح میں مشغول تھے اور سورج کی ہلکی تمازت کو انجوائے کر رہے تھے۔ میری بیٹی اور اس کا دو سالہ بیٹا بھی وہیں آگئے کہ ہم نے دیکھا کہ ایک نوجوان قریباً چوبیس پچیس سال کا بغیر آستین کے ٹی شرٹ اور کالے رنگ کی پینٹ پہنے ہلکی ہلکی جوگنگ کر رہا ہے۔ تھوڑا پیچھے سے ایک اٹھارہ انیس سال کی لڑکی کانوں میں ہیڈ فون لگائے چست ولائیتی جامہ پہنے بھرپور جوگنگ کرتی ہوئی آئی۔ جونہی وہ اس نوجوان کے پاس سے گزری ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ہم لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ ان دونوں کے بازو ایک دوسرے کی کمر میں حمائل ہوگئے اور چند قدم اسی طرح ''مخلوط'' جوگنگ ہوئی اور پھر شاید شدت جذبات کا غلبہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ تمام دوسرے جوگنگ اور واک کرنے والے مرد و زن دم بخود رہ گئے کچھ خواتین نے منہ پرے کر لیے۔ وہ تو بھلا ہو وہاں موجود سکیورٹی گارڈ کا کہ وہ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ بھاگتا ہوا آیا اور بآواز بلند کہا کہ صاحب یہ کوئی پیرس نہیں ہے آپ کیا کر رہے ہیں اور ان دونوں نے اسی طرح لپٹے ہوئے حیرانگی اور حقارت سے گارڈ کی طرف دیکھا جس پر اس نے ہمت کی اور ان کو ایک دوسرے کے ''پنجوں'' سے چھڑایا۔

آپ لکھتے رہیے اپنی اقدار کے متعلق آپ کہتے رہیے کہ ہم غلام در غلام ہوتے جا رہے ہیں اور ان کے جواب بھی سن رہے ہیں کہ کیا مرد عورتیں اکٹھے ہوائی جہاز میں سفر نہیں کرتے؟ کیا دفتروں میں کام نہیں کرتے؟ کیا اکٹھے شاپنگ نہیں کرتے تو اکٹھے بھاگ لیا تو کیا کیا؟ اور پھر یہ بھی تو کہا گیا کہ جنہیں شرم آتی ہے یا جنھیں نہیں دیکھنا تو وہ گھر بیٹھیں یا منہ پرے کرلیں۔ ہم تو گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اگر Libralism اور Moderansim ہمارے پارکوں، ہماری سڑکوں یعنی ہمارے گھروں میں آجائے تو پھر کیا کریں؟ گھروں سے نکل کر ویرانوں میں چلے جائیں یا پھر حضرت اکبرالہ آبادی کے مطابق۔

میں نے تو یہ سوچ رکھا ہے کہ اکبر آج سے
خانقاہ میں بیٹھ جاؤ ڈٹ کے قوالی سنو

[سید محمد بابر شاہ لاہور، روزنامہ ''نوائے وقت'' ۹ جنوری ۲۰۰۷ء]



عظیم الشان محفل قرأت

جامعہ محمد بن اسماعیل بخاری اہل حدیث گندھیاں اوتاڑ ضلع قصور، میں ۲۳۔ اگست ۲۰۰۸ء بروز ہفتہ ایک محفل قرأت اور فقید المثال کانفرنس ہوگی۔ نامور قراء حضرات وعلمائے کرام خطاب کریں گے۔ نوٹ: اس تاریخ کو مقامی حضرات کوئی دوسرا پروگرام نہ رکھیں۔

[قاری محمد ادریس مدیر جامعہ ہذا]

رشتوں کے خواہش مند

اہل حدیث اور سلفی حضرات اپنے بچوں اور بچیوں کے لیے رشتہ کرتے وقت ہمارے ساتھ رابطہ کریں۔ عالمہ، حافظہ لڑکیوں کے رشتے تقریباً ہر برادری سے موجود ہیں۔ صبح ۸ تا ۴ بجے شام سوائے جمعۃ المبارک۔ صرف والدین رابطہ کریں۔

[حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاھروی، فون: 0301-4481583]

ضرورت خادم

ایک محنتی اور متشرع خادم کی فوری ضرورت ہے۔ ضرورت مند جلد رابطہ کریں۔ مسجد و مدرسہ میں خدمات انجام دینا ہوں گی۔ معقول معاوضہ دیا جائے گا۔ [شہادت طور، منیجر تنظیم اہل حدیث چوک دالگراں، جامع اہل حدیث، نشتر روڈ، لاہور]

مکان برائے فروخت

ایک پونے ۹ نو مرلے کا دو منزلہ مکان، دوہری رہائش کے لیے انتہائی موزوں واقع اسلامیہ پارک پونچھ روڈ لاہور برائے فروخت ہے۔

[رابطہ: ابومحی الدین۔ فون: 0300-4178822]

مسلک اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر مبنی

17 اشتہارات مفت منگوائیں

ادارہ تبلیغ اسلام اہل حدیث جام پور کی طرف سے ملک بھر میں مسلک حق اہل حدیث کی دعوت عام کرنے کے لیے مندرجہ اشتہارات زیر تقسیم ہیں

1- سورۃ الفاتحہ خلف الامام   2- اثبات رفع الیدین   3- آمین بالجہر
4- نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا اور پاؤں سے پاؤں ملانا   5- اہمیت نماز بے نماز کا انجام   6- اوقات نماز کی محمدی جنتری
7- کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور مشکل کشا ہے...؟

نوٹ: اشتہارات صرف ان احباب کو دیئے جائیں گے جو یہ وعدہ کریں کہ اشتہار فریم کروا کر مساجد، مدارس، لائبریریوں، دفاتر اور اہم جگہ آویزاں کیے جائیں گے، صرف ڈاک خرچہ کے لیے 15 روپے بھیج کر مفت منگوائیں۔

(مولانا) محمد یٰسین راہی مدیر ادارہ تبلیغ اہل حدیث جام پور ضلع راجن پور پاکستان
0604567218-0333-8556473-2

اسلامی بینکاری کی حقیقت!

حافظ ذوالفقار علی شیخ الحدیث ابو ہریرہؓ شریعہ کالج لاہور

اسلامی بینکوں میں رائج طریقہ ہائے تمویل کی حقیقت:

علاوہ ازیں اسلامی بینکوں میں سرمایہ کاری اورلوگوں کی مالی ضرورتیں پوری کرنے کے جوطریقے مضاربہ،مرابحہ،مشارکہ،اجارہ اور بیع تورق رائج ہیں وہ اس سادہ صورت میں موجودنہیں جو کتب حدیث وفقہ میں بیان ہوئی ہیں۔جیسا کہ ذیل کی تفصیل سے ثابت ہوتا ہے۔

مضاربہ:

اسلامی بینکوں میں زیادہ تر کھاتے مضاربہ کی بنیاد پرکھولے جاتے ہیں۔مضاربہ کوقراض اور معاملہ بھی کہا جاتا ہےاس کا اطلاق کاروبار کی اس صورت پر ہوتا ہے جس میں ایک شخص جس کو رب المال (مال کا مالک) کہتے ہیں کا سرمایہ ہوتا ہےاور دوسرا شخص جس کومضارب یا عامل کہا جاتا ہےاس سرمایہ کی بنیاد پرتجارت کرتا ہے۔اس تجارت سے جونفع حاصل ہوتا ہےاس میں دونوں آپس میں طے شدہ تناسب سے شریک ہوتے ہیں۔چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((القراض والمضاربة ان يدفع اليه ما لا ليتجر فيه والربح مشترك))

[المنهاج : كتاب القراض ج:١، ص:٢٢٩]

’’قراض اور مضاربہ کا یہ مطلب ہے کہ ایک شخص دوسرے کو مال دے تا کہ وہ اس میں تجارت کر لے اور نفع دونوں میں مشترک ہو‘‘

نیل المآرب میں ہے:

((وهى شرعا ان يدفع انسان من ماله الى انسان آخر شيئاً او يكون له تحت يده على سبيل الوديعة او الغصب مال وياذن له ليتجر فيه ويكون الربح بينهما بحسب ما يتفقان عليه))

[نيل المآرب شرح دليل الطالب ص١٩٤]

’’مضاربہ کا شرعی معنی یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کواپنے مال میں سے کچھ دے یااس کا مال پہلے ہی سے بطورِامانت اس کے پاس پڑا ہو یا اس نے غصب کر رکھا ہواور وہ اس کو اجازت دے دے کہ وہ اس میں تجارت کرےاورنفع ان دونوں کے درمیان اس تناسب سے ہوگا جس پر وہ متفق ہوں۔‘‘

الملخص الفقہی میں مضاربہ کامفہوم یوں بیان ہوا ہے:

((دفع مال معلوم لمن يتجربه ببعض ربحه))

’’نفع کے کچھ حصے کے بدلے مال اس شخص کے حوالے کرنا جو اس کوتجارت میں لگائے۔‘‘ [ج:٢، ص:٧١]

مضاربہ کی صورت میں اگرتجارت میں خسارہ ہو جائے تو اس کا ذمہ دارصرف رب المال ہوتا ہے۔مضارب اس میں حصہ دارنہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ اپنی محنت کے ثمرہ سےمحروم رہتا ہےجیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سےمنقول ہے:

((الوضيعة على المال والربح على ما اصطلحوا عليه)) [مصنف عبد الرزاق: ج٨ص٢٤٨]

’’خسارہ رب المال کا ہوگا اورنفع اس تناسب سے جس پر انہوں نے اتفاق کیا ہو۔‘‘

مضارب کی حیثیت:

امام ابن قیم رحمہ اللہ کےنزدیک مضارب کی چارحیثیتیں ہیں:

① ......امین، ② ......اجیر، ③ ......وکیل، ④ ......شریک

وہ فرماتے ہیں کہ امین تو وہ اس اعتبار سے ہے کہ مال اس کے

قبضہ میں ہے اور مال میں تصرف کے اعتبار سے وہ وکیل ہے (مال کے مالک کا نمائندہ) اور عملی اعتبار سے اجیر ہے جب اس مال میں نفع حاصل ہو جائے تو تب وہ شریک ہوگا۔[الملخص الفقهي: ج:٢، ص:٧١]

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں جو مال مضارب کے حوالے کیا گیا ہے وہ اس کے پاس امانت ہے اور وہ اس میں وکیل بھی ہے کیونکہ وہ مال کے مالک کے حکم سے تصرف کرتا ہے جب فائدہ ہو تب وہ شریک بن جاتا ہے کیونکہ اپنے عمل کی بدولت مال کے ایک حصے کا مالک بن چکا ہے۔[هدايه مع البنايه: ج١٠ ص٤٤،٤٥]

مضاربہ کی شرطیں:

مضاربہ میں جن شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے ان میں سے ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ نفع میں فریقین میں سے ہر ایک کے حصہ کا تناسب پہلے سے طے ہو مثلاً نفع رب المال اور مضارب میں برابر تقسیم ہوگا یا رب المال نفع کے ساٹھ فیصد اور مضارب چالیس فیصد کا حقدار ہوگا کیونکہ مضاربہ میں اصل عقد منافع پر ہوتا ہے اگر یہ مجہول ہو تو مضاربہ فاسدہ ہو جائے گا۔جیسا کہ بدائع الصنائع ج۱۳ص۱۷۱ میں ہے۔امام مالک کے نزدیک نفع کی تقسیم کے وقت رب المال کا موقع پر موجود ہونا بھی ضروری ہے چنانچہ مؤطا میں ہے:

((قال مالك:في رجل دفع الى رجل مالا قراضا فعمل به فربح فارادا ان ياخذ حصته من الربح وصاحب المال غائب قال لاينبغي له ان ياخذ منه شيئا الا بحضرة صاحب المال))

[كتاب القراض: باب المحاسبه في القراض]

''اس شخص کے بارے میں جو دوسرے کو مضاربہ کی بنیاد پر مال دیتا ہے وہ اسے کام میں لا کر نفع حاصل کرتا ہے اب وہ یہ چاہتا ہے کہ رب المال کی غیر موجودگی میں ہی نفع سے اپنا حصہ لے لے امام مالک نے فرمایا جب تک مال کا مالک موجود نہ ہو اس کو یہ حق نہیں پہنچتا۔''

اسی طرح اگر کسی آدمی نے دوسرے کو مضاربہ کی بنیاد پر مال دیا اس نے تجارت کے ذریعے نفع کمایا پھر راس المال کو الگ کر کے نفع سے اپنا حصہ لے لیا اور رب المال کا حصہ گواہوں کی موجودگی پر مال میں شامل کر دیا، امام مالک فرماتے ہیں کہ جب تک مال کا مالک موجود نہ ہو نفع تقسیم کرنا درست نہیں۔اگر مضارب نے از خود کوئی چیز لی ہو تو وہ اسے واپس کرے حتیٰ کہ مال کا مالک اپنا مال وصول پالے پھر جو باقی بچے اس کو دونوں آپس میں تقسیم کر لیں۔[حوالہ مذکورہ]

امام مالک رحمہ اللہ کی بات ہر لحاظ سے عقلی میزان پر پورا اترتی ہے اس لیے کوئی دانشور اس سے اختلاف نہیں کر سکتا۔بات تو سیدھی سی ہے کہ جب رب المال اور مضارب دونوں نفع میں شریک ہیں تو کیا اس کا فرض نہیں کہ وہ رب المال کو اعتماد میں لے اور بتائے کہ میں نے یہ کاروبار کیا اتنے اخراجات آئے باقی یہ نفع ہے نہ کہ باقی سب فیصلے خود ہی کر لے۔

مضاربہ کا میدان:

اکثر فقہاء کے نزدیک مضاربہ کا مال تجارتی سرگرمیوں کے علاوہ استعمال نہیں کیا جا سکتا چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((عقد القراض يقتضى تصرف العامل فى المال بالبيع والشراء ، فإذا قارضه على أن يشترى به نخلا يمسك رقابها ويطلب ثمارها لم يجز لانه قيد تصرفه الكامل بالبيع والشراء ، ولان القراض مختص بما يكون النماء فيه نتيجة البيع والشراء وهو فى النخل نتيجة عن غير بيع وشراء فبطل أن يكون قراضا ولا يكون مساقاة، لانه عاقده على جهالة بها قبل وجود ملكها، وهكذا لو قارضه على شراء دواب أو مواشى يحبس رقابها ويطلب نتاجها لم يجز لما ذكرنا))

[المجموع،ج:١٤، ص:٣٧١]

''عقد مضاربہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ مضارب مال میں خرید وفروخت کے ذریعے تصرف کرے چنانچہ جب وہ اس طرح

مضاربہ کرے کہ وہ اس مال سے کھجوروں کے درخت خریدے گا اور ان سے پھل حاصل کرے گا تو یہ جائز نہیں کیونکہ قید یہ ہے کہ کامل تصرف خرید وفروخت کے ذریعے ہو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مضاربہ ان معاملات کے ساتھ مختص ہے جہاں مال میں اضافہ خرید وفروخت کے نتیجے میں ہو جبکہ کھجوروں کے درختوں میں یہ اضافہ خرید وفروخت کے نتیجے میں نہیں اس لیے اس کا مضاربہ باطل ٹھہرا اور یہ مساقات کا معاملہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ اس صورت میں یہ کھجوروں کی ملکیت وجود میں آنے سے پہلے مجہول درختوں پر عقد ہوگا اسی طرح اگر اس طرح مضاربہ کرلے کہ وہ جانور یا مویشی خریدے گا جو بذات خو تو اس کے پاس محفوظ ہونگے مگر ان کی پیداوار حاصل کرے گا تو یہ بھی جائز نہیں وجہ وہی ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہے یعنی یہ نفع خرید وفروخت کے نتیجے میں حاصل نہیں ہوا۔''

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

((لو قارضه على أن يشترى الحنطة فيطحنها ويخبزها والطعام ليطبخه ويبيعه والغزال لينسجه والثوب أو ليقصده والربح بينهما فهو فاسد ولو قارضه على دراهم على أن يشترى نخيلا أو دواب أو مستغلات ويمسك رقابها لثمارها ونتاجها وغلاتها وتكون الفوائد بينهما فهو فاسد لأنه ليس ربحاً بالتجارة بل من عين المال))

[روضة الطالبين: ج۲ص۱۸۸]

''اس کا مطلب یہی ہے کہ مضاربہ کا مال تجارتی سرگرمیوں کے علاوہ دوسری پیداواری سکیموں میں استعمال نہیں ہوسکتا جیسے کوئی اس بات پر مضاربہ کرلے کہ وہ گندم خرید کر اسے بیچے گا یا اور نفع دونوں میں تقسیم ہوگا تو یہ مضاربہ فاسدہ ہوگا کیونکہ یہ نفع تجارت کے ذریعے حاصل نہیں ہوا بلکہ خود مال سے جنم لیا ہے۔''

امام ابوالقاسم عبدالکریم الرافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((لو قارضه على ان يشترى الحنطة فيطبخها ويختبزها والطعام لِيَطْبَخُهُ ويبيع والربح بينهما فهو فاسد ان الطبخ والخبز ونحوهما اعمال مضبوطة يمكن الاستئجار عليها وما يمكن الاستئجار عليه فلسيغنى عن القراض انما القراض لما لا يجوز الاستئجار عليه وهو التجارة التى لا ينضبط قدرها)) [فتح القدیر شرح الوجیز: ج۱۲ص۱۱]

''یعنی مضاربہ کے مال سے صرف تجارت کی جاسکتی ہے دوسرے نفع بخش کاموں میں لگانے کی اجازت نہیں کیونکہ مضاربہ وہاں ہوتا ہے جہاں اجارہ نہ ہوسکے اور وہ تجارت ہے جہاں اجارہ ہوسکے وہاں مضاربہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

فقہاء حنفیہ کے نزدیک بھی مضاربہ کا مال صرف تجارت اور اس سے متعلقہ سرگرمیوں میں ہی لگایا جاسکتا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

((فينتظم العقد صنوف التجارة وما هو من صنيع التجار)) [ھدایہ مع البنایہ: ج۱۰ص۵۲]

دوسری جگہ ایک مسئلہ کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ ''یہ امام محمد اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس لیے جائز نہیں کہ یہ تجارت میں شامل نہیں اور عقد مضاربہ کا مقصد صرف تجارت میں کسی کو ایجنٹ بنانا ہے مزید لکھتے ہیں کہ ''جب یہ تجارت نہیں تو مضاربہ میں بھی شامل نہیں۔''

[ھدایہ مع البنایہ: ج۱۰ص۸۷]

علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

((لَوْ قَارَضَهُ عَلَى أَنْ يَشْتَرِيَ بِالدَّرَاهِمِ نَخْلًا لِيَسْتَغِلَّهُ ، وَالرِّبْحُ بَيْنَهُمَا ؛ لِأَنَّ مَا حَصَلَ لَيْسَ بِتَصَرُّفِ الْعَامِلِ ، وَإِنَّمَا هُوَ مِنْ عَيْنِ الْمَالِ))

[البهجة الوردية :باب القراض ج۱۱ص۴۸۰]

''اگر کوئی یوں مضاربہ کرلے کہ وہ درہموں سے کھجوروں کے درخت خریدے گا تاکہ ان کی آمدن حاصل کرے اور نفع دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ اس

صورت میں جو نفع حاصل ہوا ہے وہ مضاربہ کے تصرف کا نتیجہ ہے وہ تو مال کا اپنا حصہ ہے۔''

مذکورہ بالا عبارتیں اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ ان جلیل القدر فقہاء کے نزدیک مضاربہ کا مال تجارتی سرگرمیوں کے علاوہ دوسرے نفع بخش منصوبوں میں استعمال نہیں ہوسکتا۔

ایک تو اس لیے کہ دوسرے منصوبوں کے ذریعے جو فائدہ حاصل ہوگا وہ مضارب کی محنت کا نتیجہ ہونے کی بجائے مال کا نتیجہ ہوگا۔ جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ اور علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

اور دوسرا اس لیے کہ مضاربہ صرف اس چیز میں ہوتا ہے جو غیر منضبط ہو اور وہ صرف تجارت ہے۔ جہاں اجارہ ہوسکے وہاں مضاربہ کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ امام عبدالکریم الرافعی نے ذکر کیا ہے۔

چونکہ دلائل کے اعتبار سے یہ نقطہ نظر قوی ہے اس لیے اسلامی بینکاری کے حامی بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ بنیادی طور پر مضاربہ تجارت میں ہی ہوتا ہے۔ دوسرے زرعی اور صنعتی منصوبوں میں اس کا استعمال اس کے مفہوم میں وسعت پیدا کر کے کیا جانے لگا ہے چنانچہ عالمی سطح پر اسلامی بینکوں کی شرعی رہنمائی کے لیے قائم تنظیم ''هيئة المحاسبة والمراجعة للمئوسات المالية الاسلامية'' Accounting And Auditing Organization for Islamic Financial Institutions(مخفف:AAOFi) کے شائع کردہ المعاییر الشرعیۃ میں ہے۔

((والمضاربة من الصيغ التي تستخدم غالبا في التجارة ثم توسعت استخداماتها حتى شملت مجالات الاستثمار التجارية والزراعية والصناعية والخدمية وغيرها)) [ص:٢٣٢]

''مضاربہ ان طریقوں میں سے ہے جو زیادہ تر تجارت میں استعمال کیا جاتا ہے پھر اس کے استعمال میں وسعت پیدا ہوگی یہاں تک کہ تجارتی، زرعی اور صنعتی سرمایہ کاری وغیرہ کو بھی شامل ہوگیا۔''

مضاربہ کے مفہوم میں یہ وسعت کس نے پیدا کی کب کی اور کس بنیاد پر کی؟ ہمیں پورا یقین ہے کہ اسلامی بینکنگ کے حامیوں کے پاس اس کا کوئی ایسا جواب نہیں ہے جو اہل علم کو مطمئن کر سکے یہی وجہ ہے کہ المعاییر الشرعیۃ کے قابلِ احترام علماء کرام نے اس کے متعلق اس سے زیادہ لب کشائی نہیں فرمائی۔

اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ کی حقیقت:

اگر اسلامی بینکاری کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ میں اوپر بیان کردہ اصولوں اور شرطوں کا پوری طرح خیال نہیں رکھا جاتا اور نہ ہی یہ عدل وانصاف پر مبنی ہے۔ اسکی وضاحت کے لیے ذیل کی سطور ملاحظہ فرمائیں۔

① ......اگرچہ اسلامی بینکوں میں یہ سہولت موجود ہے کہ اگر کوئی ڈیپازیٹر یہ جاننا چاہے کہ نفع کی تقسیم کس تناسب سے ہوگی تو متعلقہ بینک کے ذمہ دار بتانے کے پابند ہیں یا وہ خود بھی بینک کی ویب سائٹ پر دیکھ سکتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی ہوتا ہے کہ ڈیپازیٹر سے جو فارم پر کروایا جاتا ہے اس میں صاف لکھا ہوتا ہے کہ بینک یہ تناسب تبدیل کرنے کا بھی مجاز ہے تاہم اس صورت میں بینک کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ تبدیل شدہ تناسب اپنی ویب سائٹ پر جاری کرے یا لکھ کر نوٹس بورڈ پر آویزاں کرے۔ اب یہ تبدیل شدہ تناسب کتنی مدت کے لیے ہوگا اس کا ذکر نہیں ہوتا اس سے یہ معاملہ ناجائز ہو جاتا ہے۔ اسلامی بینکنگ کے مؤیدین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ صراحت ہونی چاہیے کہ نفع کی تقسیم کا یہ فارمولا کب تک چلے گا۔ [دیکھیے المعاییر الشرعیۃ ص۲۲۴]

② ......اسلامی بینکوں میں نفع کی تقسیم کے لیے رقم کی کمی بیشی کی بنیاد پر ڈیپازیٹر کی رقوم کا الگ الگ وزن مقرر کیا جاتا ہے جس کی رقم زیادہ ہو اس کا وزن زیادہ رکھا جاتا ہے اور جس کی رقم تھوڑی ہو اس کا کم۔ مثلاً میزان بینک کی ویب سائٹ سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق ویٹج اسائنڈ یوں ہے: اگر رقم ۱۰۰۰۰ سے لیکر ایک لاکھ سے کم تک ہو تو ویٹج اسائنڈ ۰.۳۱ ہوگا اور اگر رقم ایک لاکھ سے لیکر ۹۹. ملین تک ہو تو ویٹج اسائنڈ ۰.۳۶ تک ہوگا۔ گویا اسلامی بینکوں میں کم رقم رکھوانا جرم ہے

جس کی سزا یہ ہے کہ اس کی رقم کا وزن کم رکھا جائے۔ ویٹج اسائنڈ کو رقم کی کمی بیشی سے مربوط کرنا عدل کے خلاف ہے۔ ۱۹۸۷ء میں خود اسٹیٹ بینک اس کو غلط کہہ چکا ہے۔

[دیکھیے B-C-D کا جاری کردہ سرکولر نمبر ۶ بتاریخ 12-7-1987]

یہاں ایک اور زیادتی بھی کی جاتی ہے وہ یہ کہ مضاربہ میں بینک کی اپنی رقم بھی ہوتی ہے بینک اس کا ویٹج اسائنڈ ڈیپازیٹر سے مختلف رکھتا ہے۔ مثلاً اسی ماہ اپریل میزان بینک نے اپنی رقم کا ویٹج اسائنڈ ۱.۷ رکھا ہے۔ یہ فرق خود اس اصول کے بھی خلاف ہے وہ اس طرح کہ اگر بینک نے مثلاً مضاربہ میں ایک ارب روپیہ لگایا ہے اور اس میں نوے کروڑ کھاتہ دار کا اور دس کروڑ بینک کا تو اس اصول کے مطابق کھاتہ داروں کے ویٹج اسائنڈ بینک کی رقم سے زیادہ ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ مجموعی اعتبار سے کھاتہ داروں کی رقم زیادہ ہے لیکن بینک نے الٹا اپنی رقم کا ویٹج اسائنڈ زیادہ رکھا ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہاں کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہو کہ جب اسٹیٹ بینک نے ۱۹۸۷ء میں اس سے روک دیا تھا پھر اسلامی بینک ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعد میں جب کچھ وجوہ کی بنا پر یہ پابندی اٹھالی گئی تو اسلامی بینکوں نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا مگر سوال یہ ہے کہ کیا اسٹیٹ بینک کی پابندی ختم ہونے سے ایک غلط کام جائز ہو جاتا ہے اگر یہ اصول درست ہے تو بینک اور کھاتہ دار دونوں کے لیے یکساں ہونا چاہیے۔

③......اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ میں تیسری خرابی یہ ہے کہ ڈیپازیٹر بینک کا شریک ہے۔ اس ناطے بینک پر لازم ہے کہ اس کو اعتماد میں لے جس طرح بینک اپنے شیئر ہولڈرز کے ساتھ معاملہ کرتا ہے اور بورڈ آف ڈائریکٹر شیئر ہولڈرز کی نمائندگی کرتا ہے۔ بینک سے متعلقہ ہر چیز اس کے علم میں ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ڈیپازیٹر کو کوئی علم نہیں ہوتا کہ بینک کیا کر رہا ہے اور کتنا نفع ہوا ہے جو بینک دے دے کھاتہ دار پر اس کو قبول کرنا فرض ہوتا ہے۔ اسلامی بینکوں کے فارموں میں بھی یہ درج ہوتا ہے کہ بینک نے جو نفع تقسیم کر دیا ہے ڈیپازیٹر اسکو قبول کرنے کا پابند ہوگا کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہو گا۔ ہم اسلامی بینکاری کے حامیوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ شرط قرین انصاف ہے؟

اسلامی بینکاری کے سکالر ڈاکٹر رفیق یونس مصری اسلامی بینکنگ میں حائل موانع اور مشکلات ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((الا ان المود عين يشكون من صعوبة اخرى هي انهم شركاء فيما بينهم بالمال ولكنهم مشتتون لا تجمعهم اى جمعية او هيئة لحماية مصالحهم حيال المساهمين فى المصرف الذين تجمعهم جمعية عمومية ويمثلهم مجلس ادارة))

[المصارف الاسلامیه: ص۲۵]

''بلاشبہ ڈیپازیٹر ایک اور مشکل کا شکوہ کرتے ہیں وہ یہ کہ وہ مال کے ساتھ بینک کے شریک ہیں لیکن بینک میں حصہ دار جنکی نمائندگی بورڈ آف ڈرایکٹرز کر رہا ہوتا ہے کے مقابلے میں ان کے مفادات کے تحفظ کے لیے کوئی تنظیم یا بورڈ نہیں''

④...... چوتھی بڑی خرابی یہ ہے کہ اسلامی بینک فقہاء کی اکثریت کے نقطہ نظر کے مطابق مضاربہ کا مال صرف تجارت میں ہی نہیں لگاتے بلکہ دوسرے منصوبوں پر بھی لگاتے ہیں۔



مولانا عبداللہ امجد چھتوی

محمد اسحاق بھٹی

تقسیم ملک سے قبل متحدہ ہندوستان میں چھوٹی بڑی ساڑھے پانچ سو سے زائد ریاستیں تھیں، جن پر طویل مدت سے راجے مہاراجے اور نواب نسلاً بعد نسل حکومت کرتے چلے آرہے تھے۔ اگست ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہو کر ہندوستان اور پاکستان کے نام سے دو حصوں میں بٹا تو ہندوستان کی کانگرسی حکومت نے ریاستیں ختم کر دی تھیں۔ ان ریاستوں میں ایک ریاست کا نام ''بیکانیر'' تھا۔ تقسیم ملک کے بعد اس ریاست کو حکومت ہند نے صوبہ راجستھان میں شامل کر دیا تھا۔ مولانا عبداللہ امجد کے آبا واجداد آزادیٔ ملک سے قبل اسی ریاست کے ایک گاؤں میں سکونت پذیر تھے، جس کا نام دبلی باس (یعنی آبادی) تھا۔ یہ بستی ریاست بیکانیر کی تحصیل، بنومان گڑھ ضلع گنگانگر میں تھی۔ عرفِ عام میں اسے ''ڈھانی'' کہا جاتا تھا۔ اس نواح میں ڈھانی کا اطلاق چھوٹی بستی یا آبادی پر ہوتا تھا اور تین چار ڈھانیاں تھیں جو قریب قریب واقع تھیں، ان میں سے ہر ڈھانی پر ایک دوسری سے امتیاز کے لیے بہ طور لاحقہ کوئی لفظ لگا لیا گیا تھا۔ مولانا عبداللہ امجد والی ڈھانی کو ''دبلی باس'' کے لاحقے سے دوسری ڈھانیوں سے ممیّز کیا گیا تھا۔

ان کے خاندان کی رشتے داریوں کا حلقہ دور تک پھیلا ہوا تھا، مثلاً پٹیالہ میں رحمۃ للعالمین کے مصنف نام دار قاضی محمد سلیمان منصور پوری سے ان کا تعلق تھا تو ضلع فیروز پور کی ایک چھوٹی سی بستی بڈھیمال کے لوگوں سے بھی ان کے رشتے ناتے قائم تھے۔ بڈھیمال بھی علمائے کرام کا مسکن تھا اور ڈھانی میں بھی متعدد اہل علم نے جنم لیا اور ان کے حدودِ اثرات وسیع ہوئے۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری مرحوم و مغفور ایک مرتبہ عبداللہ امجد کے کسی بزرگ کی شادی میں ڈھانی تشریف لے گئے تھے اور ان کا نکاح قاضی صاحب نے پڑھایا تھا۔

تقسیم ملک سے پہلے ہمارے دوست مولانا محمد یاسین شاد کے خاندان کا تعلق سکونت بھی اسی ڈھانی سے تھا۔ یہ اہل حدیث خاندان ہے جو ملتان میں اقامت گزیں ہے۔ مولانا محمد یاسین شاد کتاب دوست اور صاحب مطالعہ عالم دین ہیں۔ انھوں نے اپنے والد محترم کے نام سے ملتان میں ''عبدالرحمٰن اسلامک لائبریری'' قائم کی ہے اور خود جگہ خرید کر ایک مسجد تعمیر کرائی ہے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ڈھانی بے شک چھوٹا سا گاؤں تھا، لیکن اصحاب علم کا مجمع اور اہل حدیث کا مسکن تھا، جہاں جناب علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری جیسی عظیم شخصیتیں قدم رنجہ فرما چکی تھیں۔ بلاشبہ اس گاؤں پر بقامت کہتر بقیمت بہتر کی ضرب المثل صادق آتی تھی۔

بڈھیمال کے بارے میں بعض باتیں یہ فقیر اپنی کتاب ''قافلہ حدیث'' کے اس طویل مضمون میں بیان کر چکا ہے جو حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی (متوفی ۹۔مئی ۱۹۸۷ء) کے حالات میں لکھا گیا ہے۔☆

زیر مطالعہ کتاب ''دبستانِ حدیث'' میں مولانا حافظ احمد اللہ صاحب

☆......ملاحظہ ہو'' قافلہ حدیث'' از صفحہ ۲۲۷ تا ۲۷۱۔ شائع کردہ مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار۔ لاہور۔ یہاں یہ یاد رہے کہ قافلہ حدیث میں حضرت حافظ صاحب کی تاریخ وفات غلطی سے ۷۔ مئی ۱۹۸۷ء لکھی گئی ہے، جب کہ ان کی تاریخ وفات ۹۔ مئی ۱۹۸۷ء ہے۔ دو دن کے اس فرق کی غلطی کا تعلق معلوم نہیں مجھ سے ہے یا کمپوزر سے! لیکن میں اسے اپنے کھاتے ہی میں ڈال لیتا ہوں، جہاں اس گنہگار کے کھاتے میں، اور بہت سی غلطیاں ہیں، ایک غلطی یہ بھی سہی۔ لیکن میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ یہ فقیر پہلا شخص ہے، جس نے حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی پر مضمون لکھا۔ اس سے قبل یا بعد ان کے کسی عزیز یا شاگرد کو ان پر لکھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ کسی بزرگ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا آسان ہے، لیکن اس نسبت کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے۔

بڈھیمالوی سے متعلق مضمون میں بھی مناسب مواقع پر بڈھیمال اور وہاں کے علمائے کرام کے بارے میں بعض ضروری باتیں ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں۔ اس مختصر سی بستی میں متعدد علمائے کرام نے جنم لیا جو قیام پاکستان سے پہلے بھی خدمت تدریس انجام دیتے رہے، لیکن بعد میں انھوں نے بالخصوص مختلف مقامات میں مساند درس آراستہ کیں اور شائقین علوم دینیہ کے جم غفیر کو مستفید فرمایا۔ اس کارِ خیر کا صلہ انھیں اللہ ہی دینے والا ہے۔

عبداللہ امجد کے دادا تین بھائی تھے، جن کے نام علی الترتیب یہ ہیں: جمال الدین، جلال الدین اور عنایت اللہ! جمال الدین کے دو بیٹے تھے اور دونوں عالم تھے۔ بڑے کا نام مولوی عبداللہ تھا اور چھوٹے کا مولوی محمد۔

مولوی عبداللہ اُس دور میں اپنے علاقے کے مشہور عالم تھے۔ متقی اور پیکر صالحیت۔ واعظ اور مدرس۔ بہت سے لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ عالم جوانی میں سفر آخرت پر روانہ ہو گئے تھے۔ عبداللہ امجد کا نام انہی کے نام پر عبداللہ رکھا گیا تھا۔

مولوی محمد بھی عالم دین تھے اور وعظ و خطابت سے دلچسپی رکھتے تھے۔ انھوں نے ۸۰ سال کے پس و پیش عمر پا کر قیامِ پاکستان کے بعد چک نمبر ۳۶ گ ب (تحصیل جڑاں والا) میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

میاں جلال الدین کے بھی دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام عبدالعزیز تھا اور چھوٹے کا مولوی عبدالرشید! یہ دونوں بزرگ وفات پا چکے ہیں۔ مولوی عبدالرشید نے درس نظامی کی تکمیل کی تھی اور وہ مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی کے شاگرد تھے۔ ان کے بڑے بھائی عبدالعزیز عالم دین تو نہ تھے لیکن قرآنِ مجید پڑھا تھا، دینیات کے سلسلے کی بعض اردو کتابیں بھی پڑھی تھیں اور حضرت حافظ محمد لکھوی کی تصانیف احوال الآخرت، زینت الاسلام اور انواع محمدی وغیرہ جو اس زمانے کے پنجاب میں بہت مقبول تھیں اور گھروں میں پڑھائی جاتی تھیں، انھوں نے بھی پڑھی تھیں۔ عبداللہ امجد انہی عبدالعزیز کے بیٹے ہیں۔

عنایت اللہ کے بھی دو ہی بیٹے تھے۔ بڑے کا نام محمد سلیمان تھا اور چھوٹے کا عبید اللہ۔ ان تینوں بھائیوں کے سب بیٹے بیٹیاں وفات پا چکے ہیں۔ البتہ ان کے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کی اولاد ماشاءاللہ بہت پھیلی ہوئی ہے۔

میاں جمال الدین، جلال الدین اور عنایت اللہ میری والدہ کے حقیقی ماموں تھے۔ حافظ عبداللہ بڈھیمالوی کے بھی ماموں تھے۔ میری والدہ اور حافظ صاحب آپس میں خالہ زاد تھے۔

عبداللہ امجد کی ولادت ۱۹۳۵ء کے لگ بھگ سابق ریاست بیکانیر کی بستی ڈھانی میں ہوئی۔ ناظرہ قرآنِ مجید اپنے والد عبدالعزیز سے پڑھا۔ حضرت حافظ محمد لکھوی کی تصانیف احوال الآخرت، زینت الاسلام اور بعض دیگر کتابیں بھی والد سے پڑھیں۔ تقسیم ملک کے بعد اپنے والدین اور دوسرے بزرگوں کے ساتھ چک نمبر ۳۶ گ ب (تحصیل جڑاں والا ضلع فیصل آباد) میں سکونت پذیر ہوئے اور پھر باقاعدہ طور سے حصولِ علم کا آغاز کیا۔ چک نمبر ۳۶ میں سکونت کی وجہ سے ''چھتوی'' کی نسبت سے شہرت پائی۔ پاکستان آکر سب سے پہلے میاں محمد باقر کے قائم کردہ مدرسہ خادم القرآن والحدیث (جھوک دادو) میں داخلہ لیا۔ اس وقت اس مدرسے میں مولانا محمد صدیق کرپالوی (جنھیں بعد میں لائل پوری کی نسبت سے پکارا جانے لگا) خدمت تدریس انجام دیتے تھے۔ عبداللہ امجد نے دو سال ان سے تعلیم حاصل کی، یعنی دینیات کے نصاب کی رو سے پہلی اور دوسری دو جماعتیں وہاں پڑھیں۔ اس کے بعد اوڈاں والا چک نمبر ۴۹۳ گ ب کا عزم کیا۔ وہاں صوفی عبداللہ مرحوم کے دارالعلوم تعلیم الاسلام میں داخل ہوئے اور تیسری اور چوتھی جماعت کی تکمیل کی، وہاں بھی دو سال قیام رہا۔ اوڈاں والا کے دارالعلوم میں جن اساتذہ کے حضور انھوں نے زانوئے شاگردی تہ کیے، وہ تھے مولانا عبدالصمد رؤف، پیر محمد یعقوب قریشی، مولانا محمد صادق خلیل اور حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی۔ اور ان کے ہم جماعت تھے مولانا عبدالرشید ہزاروی (شیخ الحدیث دارالحدیث اوکاڑہ) قاضی محمد اسلم سیف مرحوم اور بعض دوسرے حضرات۔

حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، عبداللہ امجد کے ماموں تھے۔ عبداللہ امجد کی شادی بھی حافظ صاحب کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ حافظ

صاحب اوڈاں والا سے جامعہ محمدیہ (اوکاڑہ) تشریف لے گئے تو عبداللہ امجد بھی ان کے ساتھ وہاں چلے گئے۔ جامعہ محمدیہ میں انھوں نے حافظ محمد بھٹوی سے کتب حدیث میں سے جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور بعض دیگر علوم کی چند کتابیں پڑھیں۔

مولانا محمد عبدہ الفلاح بھی ان دنوں جامعہ محمدیہ میں فریضہ تدریس سرانجام دینے پر مامور تھے، عبداللہ امجد کو ان سے حجۃ اللہ البالغہ، متنبّی اور شرح العقائد نسفی وغیرہ کتابیں پڑھنے کا موقع ملا۔

جامعہ محمدیہ میں شیخ الحدیث کی مسند پر حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی متمکن تھے، ان سے صحیح بخاری، تفسیر بیضاوی اور دیگر انتہائی کتابوں کا درس لیا۔

اسی اثنا میں ۱۹۵۳ء آ گیا اور تحریک تحفظ ختم نبوت کی وہ ملک گیر لہر اٹھی کہ جگہ جگہ مرزائیت کی زور دار مخالفت شروع ہوگئی۔ حکومت مرزائیوں کی حمایت پر اتر آئی اور لوگوں نے مرزائیوں اور حکومت دونوں کے خلاف زبردست محاذ قائم کرلیا۔ گرفتاریاں ہونے لگیں اور جیلیں بھری جانے لگیں۔ اوکاڑہ میں مولانا معین الدین لکھوی اور ان کے بہت سے ساتھیوں کو گرفتار کر کے منٹگمری جیل میں بند کر دیا گیا تھا۔ میں نے اور حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے جیل میں ان سے ملاقات کی تھی۔ مولانا معین الدین کے بعد مولانا عبداللہ امجد نے جو اس وقت جامعہ محمدیہ میں طالب علم تھے، اپنے متعدد رفقائے کار کے ساتھ اوکاڑہ کے علاقے میں گھوم پھر کر خوب کام کیا اور لوگوں کو مرزائیت اور مرزائیت نواز حکومت کے خلاف تحریک میں شامل ہونے کی تلقین کی اور اپنی اس شب و روز کی جدوجہد میں کامیاب رہے۔ ان کی عمر اس وقت سترہ اٹھارہ سال کی تھی۔

ایک عرصے کے بعد حالات بدلے اور تحریک بہت حد تک کامیابی سے ہم کنار ہوئی تو تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور مولانا عبداللہ امجد نے جامعہ کے امتحان میں شمولیت کی۔ ان کا حجۃ اللہ البالغہ کا پرچہ مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے تیار کیا تھا اور انھیں اس کے بہت اچھے نمبر ملے تھے۔ ایک دن لاہور میں مولانا عبداللہ امجد کو مولانا غزنوی کی خدمت میں سلام عرض کرنے کا موقع ملا تو انھوں نے فرمایا آپ یہاں آ جائیں۔ ہم آپ کے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے۔ کچھ کتابیں دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں حافظ محمد اسحاق صاحب سے پڑھیں اور کچھ جامعہ اشرفیہ میں۔ لیکن انھوں نے یہ کہہ کر مولانا سے معذرت کر لی کہ آئندہ سال میں جامعہ محمدیہ (اوکاڑہ) میں تدریسی خدمت بھی انجام دینا چاہتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ مولانا عبدالحنان اور مولانا عبدالقدیر سے بعض فنون کی کتابیں بھی پڑھنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا مولانا عبدالحنان کیمل پور والے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں وہی۔ مولانا نے فرمایا: بس ٹھیک ہے، ضرور پڑھیے اور فریضہ تدریس بھی انجام دیجیے۔ چناں چہ انھوں نے آئندہ سال منطق کی بعض کتابیں پڑھیں۔ اس سے اگلے سال مولانا معین الدین کے کہنے سے مستقل طور پر تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اس زمانے میں مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی جامعہ محمدیہ میں شیخ الحدیث کی مسند علیا پر فائز تھے۔ مولانا عبداللہ امجد نے ۱۹۵۶ء میں جامعہ محمدیہ سے سند فراغت لی تھی۔ فراغت کے بعد وہیں مدرس مقرر کر لیے گئے۔ دو سال مدرسہ خادم القرآن والحدیث جھوک دادو کے اور دو سال دارالعلوم تعلیم الاسلام اوڈاں والا کے علاوہ طالب علمی کا پورا زمانہ جامعہ محمدیہ (اوکاڑہ) میں گزارا۔ جامعہ محمدیہ ہی سے فارغ ہوئے اور جامعہ محمدیہ کی وجہ سے انھیں شہرت بھی ملی اور بے شمار علما و طلبا سے تعارف ہوا۔

جامعہ محمدیہ میں مولانا عبداللہ امجد نے چار سال سلسلۂ تدریس جاری رکھا۔ اس اثنا میں سنن نسائی، مشکوٰۃ شریف، جامع ترمذی، تفسیر جامع البیان، کافیہ، تلخیص المفتاح، الفیہ وغیرہ کتابیں پڑھائیں۔ اس کے بعد مولانا عبداللہ ویروالوی کے کہنے پر عبداللہ امجد فیصل آباد دارالقرآن والحدیث میں چلے گئے۔ اسی سال حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی (جو جامعہ محمدیہ میں شیخ الحدیث تھے) جامعہ سلفیہ تشریف لے گئے۔

مولانا عبداللہ ویروالوی سے بات چیت کے بعد مولانا عبداللہ امجد نے مولانا معین الدین لکھوی کو ٹیلی فون کر دیا کہ ''میں آئندہ سال فیصل آباد میں مولانا عبداللہ ویروالوی کے مدرسہ دارالقرآن والحدیث میں تدریس کرنا چاہتا ہوں کہ یہ میرے گاؤں (چک نمبر

۳۶) کے قریب ہے۔''

مولانا عبداللہ امجد کے بقول مولانا معین الدین لکھوی نے فرمایا: ''اچھا تیری مرضی۔''

اس سے پہلے مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی کا خط مولانا معین الدین لکھوی کو پہنچا تھا کہ ''میں آئندہ سال جامعہ محمدیہ نہیں آؤں گا، آپ جامعہ کے لیے کسی شیخ الحدیث کا انتظام کرلیں۔''

مولانا معین الدین لکھوی دو مدرسوں کے اچانک جواب دینے پر پریشان تو ہوئے لیکن ان کی جگہ بعض حضرات کی خدمات حاصل کرلی گئیں۔

بہرحال چار سال مولانا عبداللہ امجد فیصل آباد کے دارالقرآن والحدیث میں پڑھاتے رہے۔ اس کے بعد حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی کے فرمان کے مطابق جامعہ سلفیہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں موطا امام مالک، مختصر المعانی اور مسلم الثبوت وغیرہ کتابیں پڑھائیں۔ ایک سال وہاں رہے۔ پھر مولانا محمد عبدہ اور مولانا معین الدین کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے جامعہ محمدیہ (اوکاڑہ) چلے گئے۔ وہاں پہلے سال صحیح مسلم، شرح عقائد نسفی، موطا امام مالک اور سنن ابی داؤد وغیرہ کتابوں کی تدریس کی۔ اس وقت مولانا محمد عبدہ جامعہ محمدیہ کی مسند شیخ الحدیث پر متمکن تھے۔ اس سے اگلے سال ۱۹۷۰ء میں مولانا محمد عبدہ نے اپنی خدمات ادارہ علوم اثریہ (فیصل آباد) کے سپرد کردیں تو مولانا معین الدین لکھوی نے مولانا عبداللہ امجد کو جامعہ محمدیہ کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث بنا دیا۔ مجموعی طور پر انھوں نے پندرہ سال جامعہ محمدیہ میں خدمت تدریس سرانجام دی۔ کئی سال صحیح بخاری کا درس دیتے رہے۔

اس اثنا (۱۹۷۳اور۱۹۷۴) میں دوبارہ تحریک تحفظ ختم نبوت شروع ہوئی تو مولانا معین الدین لکھوی کو اس تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں حکومت نے گرفتار کرکے جیل بھیج دیا۔ ان کے بعد اوکاڑہ شہر میں اس تحریک کی قیادت مولانا عبداللہ امجد نے کی، بالآخر انھیں بھی گرفتار کرکے جیل میں بند کردیا گیا۔ جیل میں اور بھی متعدد حصرات ان کے ساتھ قید تھے۔ وہاں مولانا عبداللہ امجد نے درسِ قرآن وغیرہ کا سلسلہ جاری رکھا۔

جیل سے رہا ہونے کے بعد مولانا عبداللہ امجد نے جامعہ محمدیہ کی تدریس سے استعفا دے دیا اور چک نمبر ۱۴۹ ای بی (متصل عارف والا، ضلع پاک پتن) کی درس گاہ ''جامعہ اشاعت الاسلام'' میں چلے گئے۔

دس سال اس گاؤں میں رہے۔ پھر بعض وجوہ کی بنا پر وہاں سے مستعفی ہوگئے اور عارف والا شہر کی جماعت کے کہنے سے وہاں جا کر سلسلہ تدریس شروع کردیا۔ ڈیڑھ سال کے بعد وہاں کی جماعت نے اتنا خرچ برداشت کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ اس کا علم چیچہ وطنی کی جماعت کو ہوا تو اس کے چند ارکان عارف والا پہنچے اور مولانا عبداللہ امجد سمیت تمام مدرسین وطلبا کو چیچہ وطنی لے گئے اور انھوں نے وہاں کی درس گاہ ''جامعہ اشاعت العلوم المحمدیہ'' میں تدریس کا آغاز کردیا۔ ایک سال وہاں خدمت تدریس سرانجام دی۔ اس کے بعد وہاں کے حالات کے پیش نظر مولانا نے ان سے فرمایا کہ اگر وہ بعض شرائط کے مطابق انھیں آئندہ رکھنا چاہتے ہیں تو چند روز تک اس کی اطلاع دیں۔ لیکن ان کی جانب سے اطلاع نہ آئی۔

اس کے بعد رمضان شریف میں دارالدعوۃ السّلفیہ ستیانہ بنگلہ کے ناظم مولانا عتیق اللہ اور بعض دیگر حضرات نے مولانا عبداللہ امجد سے ملاقات کی اور اصرار کیا کہ وہ ستیانہ بنگلہ تشریف لے جائیں اور وہاں خدمت تدریس سرانجام دیں۔ چناں چہ انھوں نے ستیانہ بنگلہ کے حضرات کی درخواست پر ان کے ہاں جانے کا وعدہ کرلیا اور وہاں جا کر خدمت تدریس سرانجام دینے لگے۔ اب تیرہ چودہ سال سے مولانا عبداللہ امجد شیخ الحدیث کی حیثیت سے دارالدعوۃ السّلفیہ ستیانہ بنگلہ (ضلع فیصل آباد) میں تشریف فرما ہیں۔ تدریس کے علاوہ ہر رمضان المبارک میں دورہ تفسیر قرآن کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔

مولانا ممدوح تقریباً ۱۹۵۶ء سے شعبہ تدریس سے منسلک ہیں۔ بہ الفاظ دیگر یہ بابرکت خدمت وہ پچاس سال سے زیادہ مدت سے سرانجام دے رہے ہیں۔ اس اثنا میں وہ درسی کتابیں متعدد مرتبہ پڑھا چکے ہیں۔ بیس بائیس مرتبہ انھوں نے صحیح بخاری پڑھائی ہوگی۔ وہ تجربہ کار مدرس ہونے کے ساتھ اچھے مقرر اور خطیب بھی ہیں۔ مناظرانہ ذہن

بھی رکھتے ہیں اور مختلف مسالک کے بعض اہل علم سے ان کے مناظروں کا سلسلہ جاری رہا۔

ان کے شاگردوں کی فہرست بہت وسیع ہے۔ ان میں سے بعض حضرات کو میں جانتا ہوں اور بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ ان کی تدریسی اور تصنیفی خدمات سے بھی آگاہ ہوں۔ ان کے تحقیقی دوائر کا بھی مجھے علم ہے۔ لیکن ان کے بعض شاگردوں سے صرف اسمی تعارف ہے اور بعض سے نہ اسمی تعارف ہے، نہ رسمی......! دعا ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو خوش رکھے اور وہ کتاب و سنت کی تبلیغ و اشاعت میں مشغول رہیں۔

ان کے شاگردانِ عالی ہمت کی وسعت پذیر فہرست میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں۔

① ......مولانا ارشاد الحق اثری: پاکستان کے نامور محقق و مصنف۔ فیصل آباد

② ......مولانا حافظ عبدالعزیز علوی: شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ، فیصل آباد

③ ......مولانا حافظ عبدالکبیر: شیخ الحدیث جامعہ تعلیمات اسلامیہ، فیصل آباد

④ ......مولانا گلزار احمد: شیخ الحدیث دارالقرآن والحدیث، فیصل آباد

⑤ ......مفتی عبدالحنان: جامعہ سلفیہ، فیصل آباد

⑥ ......مولانا عطاء اللہ طارق: گگومنڈی، ضلع وہاڑی۔

⑦ ......مولانا احمد علی سیف: وہاڑی

⑧ ......مولانا اسداللہ بھامبڑی

⑨ ......مولانا محمد صدیق۔ گہلن۔ ضلع قصور

⑩ ......مولانا عبدالرشید

⑪ ......حافظ مقصود احمد۔ اسلام آباد

مولانا عبداللہ امجد کی تدریسی خدمات کے جن پہلوؤں سے یہ فقیر آگاہ تھا، ان کا تذکرہ اپنی دانست میں مناسب الفاظ میں کر دیا گیا ہے۔ ان کی طالب علمی کا دور بھی ان گزارشات میں آ گیا ہے، ان کے خاندانی احوال بھی بیان کر دیے گئے ہیں اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے دونوں ادوار (۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء) میں ان کی سرگرمیوں کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

یہ فقیر اپنے آپ کو علمائے کرام کا خادم سمجھتا ہے اور اپنے فہم اور محدود معلومات کے مطابق ان کے بارے میں تھوڑا بہت لکھتا لکھاتا رہتا ہے۔ اس کی تحریر سے کوئی کیا اثر لیتا ہے، اس سے یہ خادم بے نیاز ہے۔ کوئی اتفاق کرے یا اختلاف، اس کی پروا کیے بغیر کام جاری رہتا ہے اور جاری رہنا چاہیے۔ اختلاف میں پھنس گئے تو کوئی کام بھی نہیں ہو سکے گا۔

مولانا عبداللہ امجد کے جو حالات ہمیں معلوم ہوئے ہیں، ان سے پتا چلتا ہے کہ ان کی طالب علمی کا زیادہ تر زمانہ جامعہ محمدیہ (اوکاڑہ) میں گزرا، وہاں کے اساتذہ سے انھوں نے انتہائی درسی کتابیں پڑھیں اور وہیں سے سند فراغت لی۔ وہیں سے طالب علمی کے زمانے ہی سے ان کی شہرت کا آغاز ہوا۔ پھر مدرس کی حیثیت سے بھی ان کے تعارف کا اوّلیں بیج جامعہ محمدیہ ہی کی زرخیز علمی سرزمین میں بویا گیا، جس نے آگے چل کر تناور درخت کی شکل اختیار کی، جس کے وسیع سایہ میں بے شمار لوگوں نے علمی آسودگی حاصل کی اور کر رہے ہیں۔

مولانا عبداللہ امجد چھتوی بہت اچھے مدرس ہیں اور نیک خاندان کے نیک فرد ہیں۔ اس فقیر کے قریبی رشتے دار ہیں۔ وہ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں، لیکن میں ان کا بے حد احترام کرتا ہوں۔

ان کا قافلہ عمر منزلِ سبعین سے آگے نکل چکا ہے اور وہ ماشاء اللہ راہِ تدریس پر تیزی سے گام زن ہیں۔ حلیہ یہ ہے: نکلتا ہوا قد، متناسب جسم، نہ فربہی کا تسلط، نہ لاغری کا غلبہ۔ تیکھے نقوش۔ گندمی رنگ۔ سفید داڑھی یعنی چہرے پر بزرگی کا قبضہ۔ شلوار قمیص میں ملبوس۔ سر پر قراقلی ٹوپی۔ وضع دار عالم دین۔ اچھے مقرر اور خوش نوا خطیب۔

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کے دائرے کو مزید وسیع فرمائے اور انھیں صحت و عافیت کے ساتھ طویل زندگی عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

ان کے بیٹے بیٹیاں ماشاء اللہ تعلیم یافتہ ہیں اور سکولوں اور کالجوں میں مصروفِ تدریس ہیں۔



تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

رحمت عالم ﷺ

تالیف: علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

ضخامت: ۱۴۴ر صفحات

قیمت: درج نہیں

ناشر: حافظ عبدالخبیر اویسی، دارالفرقان الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

نبی رحمت، جناب محمد رسول اللہ ﷺ تمام مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن، سارے عالم کے لیے رحمت اور نبی آخر الزماں وخاتم النبیین ہیں۔ ان کی سیرت وسوانح پر بے شمار افراد وعلماء نے بھرپور لکھا۔ آپ ﷺ کے حالات لکھ کر اپنے قلوب کو منور کیا اور آپ ﷺ کی سیرت کے تذکرے چہار دانگ عالم میں پھیلا کر انھوں نے اپنی عاقبت کو بھی روشن وبابرکت کیا۔

زیر تبصرہ کتاب ''رحمت عالم ﷺ'' بھی ایسی ہی کتب میں سے ایک ہے، جسے برصغیر کے نامور عالم دین علامہ سید سلیمان صاحب ندوی رحمہ اللہ نے تالیف کر کے خوانندگانِ گرامی اور آنے والی نسلوں کے لیے جناب رحمت عالم ﷺ کی سوانح پڑھنے کا سامان کیا۔ یہ کتاب مؤلف نے ۱۹۵۱ء میں پہلی دفعہ طبع کروائی تھی۔ اس وقت سے اب تک اس کے بے شمار ایڈیشن شائع ہو چکے ہوں گے۔ زیر تبصرہ وتازہ ایڈیشن جناب حافظ عبدالخبیر اویسی صاحب کی کوشش وجدتِ طبع کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے۔ اس طبع کی چند خصوصیات میں مزید اضافہ یہ کیا گیا ہے کہ انھوں نے پرانی اردو میں لکھے گئے الفاظ کو اور مصنف کی تحریر کو نہ بدلتے ہوئے کچھ تبدیلی کر دی ہے۔ متروک وثقیل الفاظ کی تسہیل وتزئین بھی کر دی ہے۔

اس طرح ایک معمولی اردو جاننے والا تحریر پڑھنے اور سمجھنے میں دقت محسوس نہیں کرے گا۔ اس کتاب کی پروف ریڈنگ کرتے ہوئے ایک دوسرے سیرت نگارِ رسول جناب قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ کی ''رحمۃ للعالمین'' سے مدد لی گئی ہے۔ اسی طرح بعض جگہوں پر '' ﷺ '' کی بجائے پورا درود ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اور '' ؑ '' کی بجائے ''علیہ السلام'' لکھا گیا ہے۔ نبی ﷺ کی وفات کا تذکرہ قاضی صاحب مرحوم کی کتاب سے اخذ کر کے آخر کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب کمپیوٹر کمپوزنگ ہے۔ کارڈ کور اور سفید کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔ اسلامی کتب خانوں پر دستیاب ہے۔

حدیث نماز

تالیف: مولانا عبدالمتین میمن جونا گڑھی

ضخامت: ۱۵۲ر صفحات

قیمت: درج نہیں

ناشر: دارالفرقان، الفضل مارکیٹ، ۱۸۔ اردو بازار لاہور

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رکن نماز ہے۔ نبی ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے: ((صلّوا کما رایتمونی اصلی))

''اس طرح نماز پڑھو، جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔''

اب ہم دیکھتے ہیں کہ کئی طرح کے لوگ کئی طریقوں سے نماز کی ادائیگی کرتے ہیں۔ اس طرح یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ یہ سارے طریقے یقیناً اُس نماز کی طرح تو نہیں ہو سکتے جیسے کہ شارع علیہ السلام نے ہمیں بتائے یا کر کے دکھائے۔

پاکستان وہندوستان میں حنفی حضرات کثرت سے آباد ہیں۔ احناف جو نماز پڑھتے ہیں اُسے وہ حنفی نماز کہتے ہیں اور بازار سے اس نام سے چھپی ہوئی کتابیں بھی ہمیں ملتی ہیں۔ کرناٹک (بھارت) کے بعض حنفی حضرات نے اہل حدیث کی نماز (جو سنت نبوی ﷺ کے مطابق پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں) پر اعتراضات کرتے ہوئے اہل حدیث کے خلاف ایک رسالہ شائع کیا تھا۔ زیر تبصرہ کتاب کے مؤلف جناب حافظ عبدالمتین میمن جونا گڑھی نے اس رسالے کا نہ صرف مدلل جواب دیا بلکہ اہل حدیث کی نماز حنفی علماء کی کتب سے حوالے نکال کر ثابت بھی کر دی ہے۔ یہ معرکہ

آراء کتاب اپنے اندر بڑے فائدے پنہاں رکھتی ہے اور اُن حضرات کا ردّ اور دلیل بھی مہیا کرتی ہے جسے ہمارے حنفی بھائی اہل حدیث کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔تحقیق اور دلیل اس کتاب کی اصل جان ہے۔

ماہنامہ دعوت اہل حدیث کا ''دفاع حدیث'' نمبر

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

ماہنامہ دعوتِ اہل حدیث حیدرآباد، مرکزی جمعیت اہل حدیث سندھ کا ترجمان ہے۔اس ماہنامہ نے برصغیر میں فتنہ انکارِ حدیث اور اس کے علمبرداروں کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈے کو کم کرنے کے لیے ایک قابل قدر کوشش کرکے دوسوتیس صفحات پر مشتمل ایک ''دفاعِ حدیث'' نمبر شائع کیا ہے۔

اس دور کے منکرین حدیث رسول اللہ ﷺ میں قادیانی، چکڑالوی، پرویزی وغامدی خیالات کے حامل افراد کی کثرت ہم دیکھ رہے ہیں۔ان کے علاوہ بھی بے شمار ملحدین قسم کے لوگ ہیں جو حدیث رسول کی وقعت وشان میں معاذ اللہ کمی سمجھتے ہیں۔یاد رہے کہ جس طرح قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور قیامت تک اس کی صحت اور کاملیت میں فرق نہیں آئے گا، اسی طرح آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ کی بات (حدیث) بھی کسی قسم کی کمی کا شکار نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے محدثین کرام کی ایک قابل قدر تعداد سے ہم مسلمانوں کو نوازا ہے اور ان محدثین نے ہماری ہر طرح رہنمائی فرمائی ہے۔حدیث رسول ﷺ کے دفاع کے لیے انھوں نے بڑی محنتیں ومشقتیں اٹھائی ہیں۔

اس نمبر میں موجودہ دور کے جید اور ممتاز علمائے کرام کی گراں قدر تحریریں شامل کی گئی ہیں جو حجیت حدیث کے سلسلے میں بڑی جان دار کردار کی حامل ہیں، ان شاء اللہ۔

یہ دفاع حدیث نمبر بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔صفحات ۲۳۹، نیوز پیپر اور کمپیوٹر کمپوزنگ ہے۔منگوانے کے لیے مبلغ پچاس روپے منی آرڈر بھیجیں اور اس پتے پر خط بھی لکھیں۔

ماہنامہ دعوتِ اہل حدیث، تیسری منزل، مرکزی جامع مسجد محمدی اہل حدیث، پکا قلعہ چوک، حیدرآباد (سندھ)



تبصرۂ کتب

تفسیر فضل القرآن

ہمارے مایہ ناز خطیب ومبلغ علامہ فضل الرحمٰن ایم۔اے عربی گولڈ میڈلسٹ وایم۔اے اسلامیات جو متعدد کتب اور رسائل کے مصنف ہیں۔اُن کی جدید تصنیف فضل القرآن جو سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ، سورۃ آلِ عمران اور سورۃ النساء (چار جلدوں) پر مشتمل ہے۔ اُس کے مختلف مقامات دیکھنے کا اتفاق ہوا جو اپنے مضامین کے لحاظ سے جامع اور مدلل ہے۔یہ علماء، فضلاء اور طلباء کے لیے بہترین تفسیر ہے۔علامہ موصوف نے بامحاورہ ترجمہ تشریحات اور حل لغات بیان کی ہیں۔وہ انتہائی قابل قدر اور لائق تحسین ہیں جہاں علمائے کرام اور فضلائے عظام کو واضح جدید اور مفید نکات علمیہ ملیں گے وہاں طلبائے عربیہ کو صرف ونحو کے قواعد جاننے اور سمجھنے میں مد ومعاون ہوگی۔نیز تفسیر میں درسِ قرآن کا انداز بھی اختیار کیا گیا ہے جو درسِ قرآن بیان کرنے والے علماء کے لیے نافع اور تلاش حوالہ کے لیے بہترین ہوگی۔کیوں کہ سابقہ تفاسیر میں کتابوں کا نام درج کیا گیا ہے مگر اُن کے ڈھونڈنے میں انتہائی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔میرے ناقص فہم میں یہ تفسیر خیر الکلام مَــا قَــلَّ وَدَلَّ کا عمدہ نمونہ ہے جو قابل تعریف ہے۔علامہ موصوف اگر اسی نہج پر سارے قرآنِ مجید کی تفسیر لکھ دیں تو یہ بڑی دینی اور علمی خدمت ہوگی اور آخرت میں اُن کے بلندی درجات کا موجب ہوگی۔اللہ تعالیٰ اُن کی تمام دینی اور مالی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشیں، آمین۔ایں دعا از من وجملہ جہاں آمین باد۔

[نمقه بیراعه المدعو لعبد الرشید، ناظم اعلیٰ جامع محمدی اہل حدیث، سنت نگر لاہور]

فہرست اردو کتب

مکتبہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

۱۷ء۲۹۷ قرآنِ حکیم اور ہماری ذمہ داریاں

۵ق مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ص:۱۶، لاہور ۱۴۰۸ھ

۱۷ء۲۹۷ قاضی مظہرالدین

م۶۵۵ع عیون العرفان فی علوم القرآن، ص:۲۳۲، شجاعت پبلی کیشنز لاہور۔س،ن

۱۷ء۲۹۷ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

غ۶۶م مطالب القرآن، ص:۲۲۲، دی چلڈرن قرآن سوسائٹی لاہور ۱۳۹۹ھ

۱۷ء۲۹۷ رحمت اللہ طارق

ط۲۱ت تفسیر منسوخ القرآن، ص:۸۷۴، ادبیات اسلامیہ ملتان ۱۹۷۴ء

۱۵ء۲۹۷ مولانا فاتح محمد

ف۳۵ق ترجمۃ القرآن الکریم اردو انگلش، ص:۶۰۴، تاج کمپنی لاہور ۱۹۸۸ء

۱۷ء۲۹۷ مولانا وحیدالزمان رحمہ اللہ

و۴۶۳ت تبویب القرآن، ص:۹۲۷، ادارہ محمدیہ لاہور۔س،ن

۱۷ء۲۹۷ نواب صدیق حسن خان

ص۵۳ا اکسیر فی اصول التفسیر (فارسی)، مجموعہ ۶ کتب

۲۔ لقطۃ العجلان فیما تمس إلی معرفۃ حاجۃ الانسان، عربی: نواب صدیق حسن خان

۳۔ خبیّۃ الاکوان فی افتراق الامم علی المذاھب والاکوان، عربی: نواب صدیق حسن خان

۴۔ الفرع النامی من الاصل السامی، فارسی: حافظ خان محمد خان

۵۔ اعلام الاعلام فی قراءۃ الفاتحہ خلف الامام، عربی: عبدالصمد الفساوری

۶۔ تحریر العبارہ لتقریر الاشارہ، عربی: عبدالصمد الفساوری

۱۷ء۲۹۷ قاری حبیب الرحمٰن قریشی

ح۲۷ر رہنمائے ترجمۃ القرآن، ص:۲۵۰، باسط کاپی کارنر اردو بازار لاہور ۲۰۰۵ء

۱۷ء۲۹۷ ابومحمد عبدالحق حقانی

ح۶۶ب البیان فی علوم القرآن (مقدمہ تفسیر حقانی)، ص:۶۴۸، دارالاشاعت تفسیر حقانی دہلی۔س،ن

۱۷ء۲۹۷ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ

س۹۸ا الاتقان فی علوم القرآن، ج:۲، ص:۵۴۰، ادارہ اسلامیہ لاہور ۱۹۸۲ء

۱۷ء۲۹۷ مولانا فتح محمد جالندھری

ف۳۵ت تعلیم القرآن پارہ عم، ص:۱۳۹، حسنات اکیڈمی منصورہ لاہور ۱۹۸۹ء

۱۷ء۲۹۷ عطاء الرحمٰن ثاقب

ع۸۴دت تیسیر القرآن، ص:۴۳، فہم قرآن انسٹی ٹیوٹ لاہور۔س،ن

۱۷ء۲۹۷ مولانا سید اصغر حسین

ا۵۰ح حیات خضر، ص:۴۴، دار التدریس والاشاعۃ دیو بند ضلع سہارنپور ۱۳۴۳ھ

۱۷ء۲۹۷ یعقوب حسن

ی۱۴ک کشاف الہدیٰ یعنی مقدمہ کتاب الہدیٰ، ص:۲۰۶، دفتر اشاعت ۷ سیڈنام روڈ مدراس۔س،ن

۱۷ء۲۹۷ محمد عمیم الاحسان

م۵۳۲ا التنویر فی اصول التفسیر، ص:۲۰، مطبع مجیدیہ کانپور۔س،ن

مجموعہ ۴ کتب

۲۔ البیان لتراجم القرآن، مولانا محمد عبداللہ، ص:۱۰۸

۳۔ ضمیمۃ البیان لتراجم القرآن، مولانا محمد عبداللہ، ص:۸

۴۔ مقدمہ تفسیر روح الایمان، محمد فتح الدین انصاری، ص:۱۷۶

۲۹۷ء۱۷ محمد عبدالعزیز

ج۳۳۳م المقدمہ الجزریۃ، ص:۴۰، کریمی سٹیم پریس لاہور ۱۹۲۱ء

۲۹۷ء۱۷ حمیدالدین فراہی

ح۷۷ا اقسام القرآن، ص:۶۲، انجمن خدام القرآن لاہور ۱۹۶۵ء

۲۹۷ء۱۷ سردار خان لورک زئی

س۴۵ق القسطاس المستقیم، ص:۱۰۸، اسامہ پرنٹنگ پریس مری روڈ راولپنڈی ۱۹۹۴ء

۲۹۷ء۱۷ ابومحمد عبداللہ یمنی

ع۵۸۶د الدرالنظیم فی خواص القرآن العظیم، ص:۱۷۶، مطبع بخاری رفاہ عام لاہور ۱۳۳۲ھ

۲۹۷ء۱۷ مولوی غلام ربانی

غ۲۵ق قرآن کے تحفظ پر ایک تاریخی نظر، برہان دہلی، مجموعہ ۲۔کتب

۲۔ دلائل القرآن، مولوی نجم الدین

۲۹۷ء۱۷ ڈپٹی نذیر احمد

ن۴۴م مطالب القرآن، ص:۱۴۸، الناظر پریس لکھنؤ۔ س،ن

۲۹۷ء۱۷ سید سلیمان ندوی

س۸۹ت تاریخ ارض القرآن، ص:۴۲۳، دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۵ء

۲۹۷ء۱۷ عطاء الرحمٰن ثاقب

ع۸۷ت تیسیر القرآن (گرامر)، ص:۷۵، اسلامک کمیونیکیشن لاہور ۱۹۹۸ء

۲۹۷ء۱۷ حافظ عبداللہ محدث روپڑی

ع۵۸۶د درایت تفسیری، ص:۱۳۴، مطبع روز بازار سٹیم پریس امرتسر ۱۳۳۳ھ

۲۹۷ء۱۷ سید ابوالحسن علی ندوی، ترجمہ محمود احمد غضنفر

ح۴۸ن نبیوں کے قصے، ص:۱۹۸، مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۳ء

۲۹۷ء۱۷ شاہ ولی اللہ

و۸۶ف الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص:۱۴۴، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۲ء

۲۹۷ء۱۷ ثناء اللہ امرتسری

ث۷۲م ① آیاتِ مشتبہات، ص:۵۶، ② دلیل الفرقان، ص:۳۰، مطبع اہل حدیث امرتسر ۱۳۲۴ھ

۲۹۷ء۱۷ ابوعبداللہ رفیع الدین

ر۷۳۸ا اقسام القرآن، ص:۳۱۹، مکتبہ رحمانیہ میلسی چوک کہروڑ پکا ۲۰۰۷ء

۲۹۷ء۱۷ محمد حنیف ندوی

ن۳۷م مطالعہ قرآن، ص:۳۱۰، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور ۱۹۸۵ء

۲۹۷ء۱۷ رفیق احمد رئیس سلفی

ر۴۷ق قرآنِ کریم کا مقام، ص:۴۰۰، قرآن اکیڈمی صفا کمپلیکس سدھارتھ نگر یوپی ۲۰۰۷ء

۲۹۷ء۱۷ پروفیسر غلام احمد حریری

ح۳۴ت تاریخ تفسیر ومفسرین، ص:۷۴۲، ملک سنز پبلشرز فیصل آباد ۱۹۸۴ء

۲۹۷ء۱۷ مولانا محمد علی ایم۔اے

م۵۲۵ق قرآنی دعوتِ انقلاب، ص:۳۲۰، مکتبہ ایوبیہ ناشران کتب اسلامی کراچی۔ س،ن

۲۹۷ء۱۷ شاہین کوثر

ک۸۰ن نافرمان لوگ اور عذابِ الٰہی، ص:۱۱۲، مکتبہ فانوس لاہور ۱۹۹۶ء

۲۹۷ء۱۷ شمس الدین پیرزادہ

ش۶۷ا احکام النسواں فی کلام الرحمٰن، ص:۶۴، انتظامی پریس

حیدر آباد دکن ۱۹۴۷ء

۲۹۷ء۱۷ قدرت اللہ لکھوی

ق۳۴۵ت ترکیب القرآن (پارہ اول)، ص:۱۸۴، جامعہ محمدیہ اوکاڑہ۔س،ن

۲۹۷ء۱۷ محمد اقبال نعمانی

ن۶۷ف کنز الایمان کا تنقیدی جائزہ، ص:۱۴۲، انجمن اتحاد المسلمین کریم پارک لاہور ۱۹۸۵ء

۲۹۷ء۱۷ محمد اسحاق دہلوی

ی۸۰ا داستانِ حضرت یوسف، ص:۲۳۹، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور۔س،ن

۲۹۷ء۱۷ احمد رضا قادری

۲۸۱ا احکامِ ترتیل، ص:۸۰، بزم عاشقانِ مصطفیٰ لاہور ۱۹۹۹ء

۲۹۷ء۱۷ سید قطب شہید

ق۶۵۲ق قرآن کے فنی محاسن، ص:۳۸۲، فیصل اسلامک ریسرچ سنٹر فیصل آباد

۲۹۷ء۱۷ امین احسن اصلاحی

۱۰۷ام مبادی تدبر قرآن، ص:۱۹۹، دارالاشاعت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۱ء

۲۹۷ء۱۷ سید قطب شہید

ق۶۵۲ق قرآن کے فنی محاسن، ص:۳۶۸، طارق اکیڈمی جھنگ بازار فیصل آباد ۱۹۹۴ء

۲۹۷ء۱۷ علامہ عبدالعبیر

ع۶۱۴ق قرآن ایک معجزہ نما کتاب ہے، ص:۸۰، محبوب المطابع پریس دہلی۔س،ن

۲۹۷ء۱۷ مولانا ابونعمان بشیر احمد

ب۵۷ا اصولِ تفسیر (سوالاً جواباً)، ص:۱۲۵، دارالسلام لاہور۔س،ن

كلمة طيبة

نفاق اور منافق

(۵۱)...... عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ - رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ - قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: آیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ. اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔

[البخاری:۳۳۔ مسلم: ۵۹/۱۰۷۔ ۱۰۹۔۵۹]

(۵۲)...... عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِیْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَّمَنْ كَانَتْ فِیْهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِیْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ [البخاری: ۳۴۔ مسلم: ۵۸/۱۰۶]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں چاہے روزے رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور دعویٰ کرتا ہو کہ وہ مسلمان ہے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرے تو خلاف کرتا ہے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص میں چار صفات ہوں وہ خالص منافق ہوتا ہے اور جس میں ایک خصلت پائی جائے تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔ جب امانت دی جائے تو خیانت کرے جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو خلاف کرے جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔

دراصل منافق اس کو کہتے ہیں جو دل کی بات کو ظاہر نہ کرے بلکہ اس کے خلاف اظہار کرے۔ شریعت میں منافق اس کو کہا جاتا ہے جو اپنے دل میں کفر پوشیدہ رکھتا ہو مگر لوگوں کے سامنے ایمان کا اظہار کرتا ہو۔

منافق چوں کہ اپنی اصلیت چھپا کر رکھتا ہے اس لیے اس کی حقیقت کھولنے کے لیے نبی ﷺ نے اس کی علامتیں ذکر فرمائیں جن سے اس کی نیت کی خرابی اور ضمیر کا فساد سامنے آجاتا ہے۔

لفظ آیۃ واحد ہے اس لیے معنی یہ ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک بات منافق کی نشانی ہے یا یہ ہوگا کہ یہ تینوں علامات مل کر منافق کی علامت بنتی ہے۔ ابن خزیمہ میں جمع کے الفاظ ہیں: علامات المنافق ثلاث

اس حدیث میں علاماتِ نفاق کو تین میں محصور فرمایا اور دوسری روایت میں ایک چوتھی خصلت کا ذکر فرمادیا۔ قرطبی کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ نبی ﷺ کو منافق کے خصائل کا علم بعد میں ہوا ہو۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ خصلت کے ذکر کرنے سے اس کا علامت ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لیے کوئی تعارض نہیں ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: من علامة المنافق ثلاث اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مراد حصر نہیں تھی۔

وان صام وصلی وزعم انه مسلم یعنی وہ اگرچہ نماز پڑھتا ہو، روزے رکھتا ہو۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حج عمرہ بھی کرتا ہو اور اپنے کامل مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو تو پھر بھی وہ منافق ہی ہوگا۔

منافق کی دو قسمیں ہیں: ① اعتقادی، ② عملی۔ اعتقادی منافقوں کے متعلق قرآنِ مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی روشنی ختم کردی اور وہ تاریکی میں حیران، سرگرداں ہیں وہ حق کو سننے سے بہرے ہیں، حق کے بولنے سے گونگے ہیں، اور حق کو دیکھنے سے اندھے ہیں۔ یہ کبھی بھی راہِ راست پر نہیں آسکتے۔

ان کی دوسری قسم عملی منافقوں کے متعلق فرمایا کہ آسمانی ہدایت سے ان کے دلوں میں شکوک وشبہات جاگزیں ہیں یہ لوگ قرآنِ کے وعد وانعامات کی باتیں سنتے ہیں تو خوشی خوشی مومنوں کے ساتھ چل پڑتے ہیں۔ مگر جب زجر وتوبیخ اور وعید کی باتیں سنتے ہیں تو موت کے ڈر سے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے ہیں تاکہ اس وعید سے ان کے کان نہ پھٹ جائیں۔ اگر یہ لوگ اپنے ان رویوں سے باز نہ آئے تو ہم ان کی بھی آنکھیں اور کان ختم کردیں گے تو یہ بھی پکے منافق اور کافر ہوجائیں گے۔